14
25

ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

زیر سرپرستی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۹ر جون ۱۹۵۹ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ۔ لاہور

ہدیہ چار آنے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ایک خاص واقعہ

عن عائشة قالت كنت انام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاي في قبلته فاذا سجد غمزني فقبضت رجلي واذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح (متفق علیہ)

ترجمہ۔ عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح سوتی کہ میرے پاؤں آپؐ کے قبلہ کی جانب ہوتے۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو آپؐ میرے پاؤں کو دبا دیتے اور میں پاؤں کو سمیٹ لیتی اور جب آپؐ سجدہ کرکے کھڑے ہو جاتے تو میں پھر پاؤں پھیلا دیتی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان ایام میں گھروں کے اندر چراغ نہ جلتے تھے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنا بڑا گناہ ہے

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو يعلم احدكم ما له في ان يمر بين يدي اخيه معترضا في الصلاة كان لان يقيم مائة عام خير له من الخطوة التي خطا (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے سامنے سے گزرنا جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو کس قدر گناہ رکھتا ہے تو وہ اپنا سو برس تک کھڑا رہنا نمازی کے سامنے گزرنے سے زیادہ بہتر خیال کرے گا۔

کس طرح نماز پڑھوں

عن ابي هريرة ان رجلا دخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد فصلى ثم جاء فسلم عليه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليك السلام ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصلى ثم جاء فسلم فقال وعليك السلام ارجع فصل فانك لم تصل فقال في الثالثة او في التي بعدها علمني يا رسول الله فقال اذا قمت الى الصلاة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تستوي قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا وفي رواية ثم ارفع حتى تستوي قائما ثم افعل ذلك في صلاتك كلها (متفق علیہ)

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا حضورؐ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ جا اور پھر نماز پڑھ اس لئے کہ تونے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص واپس گیا اور پھر نماز پڑھی۔ اور اس کے بعد پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا جا اور پھر نماز پڑھ۔ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ یا اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھ کو بتلایئے میں کس طرح نماز پڑھوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب تو نماز کے لئے تیار ہو تو اچھی طرح وضو کر۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ۔ پھر قرآن میں سے جس قدر یاد ہو پڑھ۔ پھر رکوع کر طمانیت کے ساتھ۔ پھر سر اٹھا۔ یہاں تک کہ سیدھا ہو جائے پھر سجدہ کر طمانیت کے ساتھ۔ پھر سر اٹھا اور اطمینان سے بیٹھ۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر سر اٹھا اور سیدھا کھڑا ہو جا اور اسی طرح نماز کو پورا کر۔

(بخاری ومسلم)

نماز پڑھنے کا طریقہ

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين وكان اذا ركع لم يشخص راسه ولم يصوبه ولكن بين ذلك وكان اذا رفع راسه من الركوع لم يسجد حتى يستوي قائما وكان اذا رفع راسه من السجدة لم يسجد حتى يستوي جالسا وكان يقول في كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان وينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلاة بالتسليم (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو شروع کرتے تکبیر سے اور شروع کرتے قراۃ کو الحمد سے اور جب رکوع فرماتے تو نہ سر کو اونچا رکھتے اور نہ پست۔ بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے اور جب رکوع سے سر کو اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ میں نہ جاتے۔ جب تک ٹھیک کھڑے نہ ہو جاتے اور ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے اور بیٹھنے کی حالت میں اپنے الٹے پاؤں کو بچھا لیتے اور سیدھے پاؤں کو کھڑا رکھتے اور منع فرماتے آپؐ دونوں پاؤں پر بیٹھنے سے جس کو عقبۂ شیطان کہتے ہیں اور دونوں ہاتھوں کو سجدہ میں اس طرح زمین پر پھیلانے سے بھی منع فرماتے۔ جس طرح درندے بچھا لیتے ہیں اور آپؐ نماز کو سلام پر ختم فرماتے۔

بہترین نماز کون سی ہے

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل الصلاة طول القنوت

ترجمہ۔ جابرؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین نماز وہ ہے۔ جس میں طویل قیام ہو (مسلم)

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ۵ | جمعۃ المبارک مورخہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۵۹ء | شمارہ نمبر ۶

قول و فعل کا تضاد

مرکزی وزیر تجارت نے لاڑکانہ (سندھ) میں ایک زیر تعمیر جامع مسجد کی زیارت کے موقعہ پر پاکستان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا۔ اس کی مختصر سی روئیداد ۱۲ جون ۱۹۵۹ء کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جامع مسجد میں زیادہ تر دیندار مسلمانوں کا ہی اجتماع ہوگا۔ اس لیے موقع کے مناسب حال وزیر تجارت نے جن پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا۔ وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہیں۔ کاش کہ حکومت کا ایک ذمہ وار رکن ہوتے ہوئے وہ ان خیالات کو عملی جامہ بھی پہنا کر اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں قیامت کے دن سرخرو ہونے کی کوشش کرتے۔ مگر ہمارے برسر اقتدار طبقہ میں قول و فعل کا تطابق بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔

وزیر تجارت نے کہا "پاکستان کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کیا جائے۔ جہاں وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔ آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ "پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اور موجودہ حکومت لوگوں کی زندگی اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے کے لیئے مناسب اقدامات کر رہی ہے"۔ جہاں تک کہ پاکستان کے بنیادی مقصد کا تعلق ہے وزیر تجارت نے جو کچھ کہا۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کا مطالبہ اسی غرض کے لئے کیا گیا تھا کہ مسلمان یہاں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن پاکستان کی بارہ سالہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ پاکستان کے بنیادی مقصد کو پورا کرنے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ منسوخ شدہ آئین میں اس کے متعلق صریحاً اعلان موجود تھا۔ لیکن دو سال کے عرصہ میں نہ کوئی نیکی رائج کی گئی اور نہ کسی برائی کا سد باب کیا گیا۔ بلکہ اس کے برخلاف نیکی کو مٹانے کے لیئے اور برائی کی ترویج کے لیئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ ثقافت کے نام پر رقص و سرود کے میلوں پر کروڑوں روپیہ صرف کر کے جس طرح اسلام کا منہ چڑھایا گیا۔ وہ سب پر عیاں ہے۔

وزیر تجارت نے پاکستان کو اسلامی مملکت کہہ کر اسلام یا پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی۔ کیا ہم ان سے یہ سوال کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک اسلامی مملکت کے لوازمات کیا ہیں اور اسلام کے متعلق ان کا کیا نظریہ ہے؟ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا مجموعہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور ایک اسلامی مملکت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو۔ اگر ہمارے اس معیار پر پاکستان کو پرکھا جائے تو موجودہ حالات میں اسے اسلامی مملکت کہنا اسلام کی توہین ہے۔ اسلامی مملکت میں نہ فواحش و منکرات رواج پا سکتے ہیں۔ اور نہ اسلامی حکومت ان برائیوں کی سرپرستی کر سکتی ہے۔ شاید وزیر تجارت کے اسلام میں شراب خوری۔ بدکاری کے اڈے۔ رقص و سرود کی کونسل کا قیام نئے نئے سینما گھروں کا اجراء وغیرہ سب برائیوں کے پنپنے کی گنجائش ہے۔ مدنی اسلام تو ان سب برائیوں کا قلع قمع کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ہمیں وزیر تجارت کے اس نظریہ سے بھی اختلاف ہے کہ موجودہ حکومت لوگوں کی زندگی اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے مناسب اقدامات کر رہی ہے۔ موجودہ حکومت آٹھ ماہ سے برسر اقتدار ہے۔ ہمیں اس کا احساس ہے۔ کہ اس قدر مختصر عرصہ حکومتوں کی زندگی میں کوئی وقعت نہیں رکھتا لیکن اگر موجودہ حکومت چاہتی تو اس مختصر عرصہ میں شعائر اسلامی کو بآسانی یہاں رواج دے سکتی تھی۔ اسلام حکومت چاہتا ہے تاکہ طاقت کے بل بوتے پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکے۔ ماشاءاللہ ہماری موجودہ حکومت کے ہاتھ میں تو مارشل لاء کا ہتھیار بھی ہے۔ اگر وہ مسلمانوں کی زندگی اسلام کے سانچہ میں ڈھالنا چاہتی تو اس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ لیکن ان کے قول و فعل کے تضاد نے اب تک اس بیل کو منڈھے چڑھنے نہیں دیا۔ لاہور اسٹیشن کے بالکل نزدیک اسٹریلیا مسجد کے بالمقابل مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود ایک نئے سینما کی تعمیر ہمارے اس الزام کا زندہ ثبوت ہے۔

آخر میں ہم وزیر تجارت اور ان کے رفقائے کار کی توجہ خدا تعالےٰ کے ایک فرمان کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھے خلافت ارضی کی امانت سونپی ہے۔ لہذا تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔ بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے گمراہ ہوتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔ اس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک جملہ میں فرما دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر راعی سے (قیامت کے دن) اس کی رعیت کے متعلق باز پُرس کی جائے گی۔ اگر ہمارے صدر اور وزراء صاحبان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کے ارشادات کو بصدق دل تسلیم کر کے مشعل راہ بنائیں تو اس میں ان کا اور قوم کا بھی بھلا ہوگا ورنہ ہم سب پر یہ شعر صادق آئیگا ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

خطبہ جمعہ:۔ گزشتہ ہفتہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی سفر پر تشریف لے گئے۔ راستہ میں ہی۔ طبیعت علیل ہو گئی۔ سفر سے واپس آنے کے بعد بھی تکلیف باقی رہی۔ اس بنا پر آپ اس جمعہ کا خطبہ ضبط تحریر میں نہیں لا سکے۔ جمعہ کے دن آپ نے جو تقریر فرمائی وہ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ تو کر لی گئی۔ لیکن وقت پر مرتب نہ ہونیکے باعث ہم اسے اس ہفتہ ہدیہ ناظرین کرنے سے معذور ہیں۔ اسکی جگہ ہم ایک پرانا خطبہ پیش کر رہے ہیں تاکہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے صفحات خطبہ سے خالی نہ رہیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ یوم الجمعۃ

از جناب شیخ التفسیر حضرت مولینا احمد علی صاحب مسجد شیرانوالہ دروازہ لاہور

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ اما بعد ــــــ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ سورہ آل عمران ع ۱۱ پ ۴

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو۔ جیسا اُس سے ڈرنا چاہیئے اور نہ مرو مگر ایسے حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

خدا کی امانت

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ایک امانت عطا فرمائی ہے۔ جس کا نام اسلام ہے۔ جس کے احکام کا مجموعہ قرآن ہے۔ جس پر عمل کرکے دکھانے کے لئے جو عامل آیا ہے اس کا نام نامی اور اسم گرامی محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اس کے نقش قدم پر چلنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ (سورۃ احزاب ع ۳ پ ۲۱) تمہارے لئے (اے مسلمانو!) رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہے۔

مسلمان کے نام کی قدامت

برادران اسلام۔ آپ کو معلوم ہے کہ سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا نام زمانہ قدیم یعنی تقریباً آج سے چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے امت مسلمہ رکھا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ مذکورۃ الصدر دونوں انبیا علیہما السلام نے یہ دعا کی تھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ (الایہ)

اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار جماعت پیدا کر۔

اس کے بعد دونوں حضرات دُعا کرتے ہیں۔ کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

ترجمہ۔ اے ہمارے رب اور اس امت مسلمہ میں ایک رسول بھیج۔ جو ان پر تیری آئتیں پڑھے اور ان کو کتاب (یعنی قرآن) سکھائے اور دانشمند بنائے اور انہیں پاک کرے۔ بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

لہٰذا مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے پیغمبروں کے رکھے ہوئے نام کی لاج رکھ کر دکھائے۔ یعنے اپنے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سونے جاگنے۔ چلنے پھرنے بولنے۔ چالنے دینے۔ لینے۔ راحت و رنج شادی۔ غمی۔ غرضیکہ دن اور رات کے اپنے ہر عمل حیات میں اطاعت اور فرمانبرداری الٰہی کو اپنا شعار بنائے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی کام کرنے نہ پائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچا پکا کھرا اور اصلی مسلمان سمجھا جائے اور اس سچائی کے باعث سچے مسلمان کی فہرست میں شامل ہو کر مندرجہ ذیل خوشخبری پائے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥

ترجمہ۔ ”ہاں جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ درآنحالیکہ وہ نیکوکار ہو تو اس کے لئے اللہ کے ہاں اجر ہے اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔“

سچے مسلمان کا نمونہ

میرے معزز بھائیو! میں آپ کے سامنے قرآن حکیم سے ایک سچے مسلمان کا نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہم بھی اپنے آپ کو اس نمونہ پر لا سکیں۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا ج وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ٥ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

ترجمہ۔ اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے دین سے منہ موڑے۔ سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو بے وقوف بنا لیا ہو اور البتہ تحقیق ہم نے اسے دُنیا میں برگزیدہ کیا ہے اور بیشک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں ہوگا۔ جبکہ اس کے رب نے اسے کہا فرمانبردار ہو جا۔ اس نے جواب دیا۔ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا“

حاصل اس فرمان الٰہی کا یہ نکلا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے سچے اور کھرے مسلمان ہیں۔

میرے معزز بھائیو اور بہنو! ہمیں ابراہیمؑ کا نمونہ اختیار کرنے کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔
قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ (الایہ)۔

ترجمہ۔ اے مسلمانو! تمہارے لئے ابراہیمؑ میں بہت اچھا نمونہ ہے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پر ایک نظر کیجئے اور دیکھئے کہ انہیں کن کن امتحانات میں مبتلا ہونا

پڑا تاکہ ہم بھی ان کا نمونہ اختیار کرکے سچے مسلمان بن سکیں۔

پہلا امتحان جان کی قربانی

حضرت ابراہیمؑ نے تمام ماسوی اللہ سے تعلق توڑ کر ایک خدائے قدوس وحدہٗ لا شریک لہٗ سے عبدیت کا تعلق جوڑنے کا اعلان فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں وہ اعلان بایں الفاظ موجود ہے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ٥

ترجمہ۔ "میں نے اپنے منہ (یعنی اپنے آپ) کو اس اللہ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں"

اس اعلان کے بعد انہوں نے اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرنا شروع کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی صدائے حق پر جب انہوں نے لبیک نہ کہی اور شرک و بت پرستی سے باز نہ آئے تو ابراہیمؑ نے انہیں دھمکی دی کہ میں کسی وقت تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ ایک دن وہ لوگ اپنا تہوار منانے کے لئے جب شہر سے باہر نکل گئے اور بتخانہ میں بتوں کے سامنے کئی قسم کے کھانے پکا کر تبرک حاصل کرنے کے خیال سے رکھ گئے۔ تاکہ واپس آکر یہ تبرک اٹھائیں گے۔ تو ابراہیم علیہ السلام بت خانہ کو پجاریوں سے خالی پاکر اندر گھس گئے۔ سوائے ایک بڑے بت کے سب کو توڑ ڈالا۔ جب وہ لوگ لوٹ کر شہر میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سوائے ایک بڑے بت کے باقی سب ٹکڑے ہیں۔ آپس میں تفتیش کرنے لگے۔ کسی نے کہہ دیا کہ ایک نوجوان ان کے متعلق اچھے خیال نہیں رکھتا۔ اس کا نام ابراہیم ہے یہ رائے ٹھہری کہ اسے پکڑ کر لوگوں کے سامنے لا کر پوچھو۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام لائے گئے۔ تو اس بڑے مجمع میں ان سے سوالات کئے گئے۔ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ ناروا حرکت کی ہے۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ باقی تو کٹ گئے۔ یہ بڑا تو موجود ہے۔ اس سے پوچھو۔ اگر تمہارے خدا کچھ بول سکتے ہیں۔ سب شرمندہ ہو کر کہنے لگے۔ واقعی تم بے انصاف ہو۔ پھر شرم کے مارے ابراہیم علیہ السلام سے آنکھ تو ملا نہ سکتے تھے۔ سر جھکا کر کہتے ہیں تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے معبود بات نہیں کر سکتے۔ ابراہیمؑ بولے اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر تم نے معبود بھی ایسوں کو بنایا جن کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ کسی قسم کا نفع یا نقصان تمہیں نہیں پہنچا سکتے۔ بالآخر وہ لوگ گفتگو میں جب لاجواب ہوئے۔ تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے بتوں کا بدلہ اس طرح لیں کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے۔ مفسرین حضرات کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے لئے جو بھٹہ تیار کیا گیا تھا۔ اس کی دیواروں کی اونچائی تیس ہاتھ تھی۔ اور بیس ہاتھ اس کا عرض تھا۔ اس بھٹہ میں ڈالے جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کئی فرشتے آئے جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر موکل ہیں اور انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر حضرت ابراہیمؑ نے کسی کی خدمت قبول نہیں فرمائی۔ مثلاً ہوا کا فرشتہ آیا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کی مدد کروں اور ہوا کو حکم دوں کہ اس آگ کو اڑا کر لے جائے اور یہاں ایک چنگاری بھی باقی نہ رہے ابراہیم علیہ السّلام نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری کسی قسم کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مینہ کا موکل فرشتہ آیا کہ اگر میری خدمت کی ضرورت ہو تو اس آگ پر مینہ لا کر برسا دوں۔ اور ایک چنگاری نہ رہنے دوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

بالآخر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے عرض کی کہ اگر میری خدمت کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا۔ مجھے آپ کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اگر ہم سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے تو کم از کم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی اس مصیبت کو دور فرمائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔
یکفینی عن سوالی علمه بحالی
(مجھے اس سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ میرے حال سے خود واقف ہے)

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے بھٹہ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيمَ ٥ (اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا)۔ یہ الگ چیز ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے صحیح سلامت بچا لیا۔ مگر انہوں نے تو اپنی توحید پرستی کے جرم میں اپنے آپ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ اپنے سچے مذہب اسلام پر قربان ہونے کا یہ وہ امتحان ہے جو آج چار ہزار برس تک دنیا کو یاد ہے اور رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔

دوسرا امتحان (ہجرت)

اللہ تعالےٰ کا قانون یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی پیغمبر کسی قوم میں آیا اور اس پیغمبر نے احکام الٰہی کی تبلیغ فرمائی اور اس امت نے بجائے تسلیم کرنے کے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے انکار کیا تو ان پر یکایک عذاب نہیں آیا۔ ان لوگوں نے پیغمبروں کو اگرچہ طرح طرح سے ستایا۔ انہیں کئی قسم کے دکھ دیئے۔ مگر پیغمبروں نے اُف تک نہ کی اور مسلسل اپنا تبلیغی فرض انجام دیتے رہے۔ بالآخر۔ جب انبیاء علیہم السلام کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا اور باطل پرستوں کے دل ناقابل اصلاح ہو جاتے تو اپنی اسلام دشمنی میں وہ اس حد تک تنزل کر جاتے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کے گھاٹ اتارنے پر آمادہ ہو جاتے اس وقت قانون الٰہی کی دو صورتیں نظر آتی ہیں۔ بعض اوقات چھوٹے درجے کے انبیاء علیہم السلام کو امتوں نے قتل بھی کیا۔ البتہ بڑے پایہ کے انبیاءؑ کو اللہ تعالےٰ قتل ہونے سے بچا لیتے تھے۔ اور انہیں اس کفرستان سے ہجرت کا حکم دے دیتے تھے۔ لیکن پیغمبر کی ہجرت کے بعد اس امت پر عذاب نازل ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ چونکہ بڑے پایہ کے پیغمبر ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کفار کے ہاتھوں مرنے سے بچا کر ہجرت کرا دی۔ حضرت ابراہیمؑ عراق عرب میں پیدا ہوئے۔ شاہ بابل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ بابل کے دفن شدہ کھنڈرات آج بھی اپنی عظمت کی تباہی پر مرثیہ خواں ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سورۃ الصّٰفّٰت رکوع ۳ میں ارشاد ہے۔ ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کیا پوجتے ہو۔ کیا اللہ کے سوا جھوٹے بنائے ہوئے خداؤں کو پوجتے ہو۔ پھر رب العالمین کے متعلق کیا خیال کرتے ہو۔ فرمایا کہ تم ان بتوں کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور وہ جو تم بناتے ہو اُسے بھی۔ ساری قوم نے کہا (چونکہ ابراہیمؑ نے ہمارے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے اس لئے اس کے واسطے ایک عمارت بناؤ پھر اُسے آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لئے تدبیر سوچی۔ پھر ہم نے انہیں نیچا دیکھنے والا کر دیا۔ (یعنی اپنی تدبیر میں ناکام رہے) اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اب اس مُلک سے اپنے رب کے لئے ہجرت کرنے والا ہوں۔ وہ میری راہنمائی کرے گا۔ (چنانچہ اللہ تعالےٰ نے شام کی طرف جانے کی رہنمائی فرمائی)

ابراہیم علیہ السلام کا یہ دوسرا امتحان ہے کہ اپنے باپ اور ساری برادری اور اپنے وطن مالوف کو اسلام کی حفاظت کی خاطر خیر باد کہا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسلام کا ایسا ہی فدائی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تیسرا امتحان۔ بچے اور بیوی کو بیابان میں چھوڑنا

اللہ تعالےٰ نے انسان کے دل میں بیوی اور بچّوں کے ساتھ ایک طبعی اُنس اور محبت رکھی ہے۔ انسان خود تکلیف اٹھاتا ہے۔ مگر حتی الوسع بیوی بچوں کو آرام پہنچاتا ہے اور بعض اوقات انسان بیوی اور بچوں کی رضا طلبی کی خاطر خدا تعالےٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے (تغابن رکوع ۲) اے مسلمانو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام بھی فطرتی جذبات سے خالی نہیں ہوتے۔ لہٰذا انہیں بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہی محبت و اُنس ہوتا ہے۔ البتہ اللہ تعالےٰ کے حکم کے مقابلہ میں وہ کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اُنکے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سر زمین بیت الحرام کے پاس بٹھا کر واپس آنے کی اطلاع دیئے بغیر چپ چاپ لوٹتے ہیں اور حضرت ہاجرہؑ پیچھے آواز دیتی ہیں تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ بالآخر انہوں نے یہ آواز دی کہ کیا اللہ تعالےٰ کا آپ کو یہی حکم ہے تو آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا:۔ اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا۔ تب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت ابراہیمؑ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے انہیں سپردِ خدا کر کے یہ فرماتے ہیں۔ رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۝

ترجمہ:۔ اے میرے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے۔ جہاں کوئی کاشت نہیں ہوتی۔ البتہ تیرے عزت والے گھر کے قریب ہیں۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ حضرت ابراہیمؑ اس تیسرے امتحان میں بھی کامیاب نکلے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں جسے اسلام کہتے ہیں۔ اس میں اپنے بیوی بچوں تک کی پروا نہیں کی۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی ایسا ہی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

چوتھا امتحان۔ بیٹے کا ذبح کرنا

سورۃ الصّٰفّٰت رکوع ۳ میں ہے:۔ ہم نے ابراہیمؑ کو متحمل مزاج بیٹے کی خوشخبری دی۔ جب وہ بیٹا ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا۔ تب ابراہیمؑ نے فرمایا۔ اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتلاؤ۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے عرض کی اے میرے باپ! جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے۔ وہ بجا لایئے۔ آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور ماتھے کے بل اسے ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا۔ ہم نے اسے پکارا اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ حضرت ابراہیمؑ کامیاب نکلے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اولاد سے بڑھ کر اسلام کے حفظ و بقا کے لئے خدمت کرنے کی توفیق دے۔ جس طرح ہم مذہب کے لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا کرے کہ اسلام کی امانت جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے بھی جان، مال، عزت، وطن اور اولاد تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

اگر مسلمان ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے اسلام کی حفاظت کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہر قربانی کے لئے سر بکف ہو جائیں۔ تو یقیناً اسلام دنیا کے ہر ہر گوشہ میں پہنچ سکتا ہے اور اس کی تیز و تند شعاعیں یقیناً کفر کی آنکھوں کو اندھا کر سکتی ہیں۔ و ما علینا الا البلاغ۔

تصحیح

(۱) شمارہ مورخہ ۵ر جون ۱۹۵۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ کی سطر ۱۸ پر (سو) کی بجائے (پانچ سو) کر لیا جائے۔

(۲) شمارہ مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۵۹ء صفحہ ۵ کالم ۳ سطر ۲۸ میں "دراصل وہ اسلام" کے بعد لفظ "نہیں" لکھ دیا جائے۔

(۳) شمارہ مورخہ ۵ر جون ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۸ کالم ۲ سطور ۳۴-۳۵-۳۶ میں ۱۹۵۹ء کی بجائے ۱۹۵۸ء کر لیا جائے۔

مجلس ذکر

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ خطبہ جمعہ کے بعد مجلس ذکر پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس دفعہ بعض مجبوریوں کی بنا پر ہم مجلس ذکر ۱۵-۱۶ پر پیش کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ شمارہ سے پہلی ترتیب بحال کر دی جائیگی۔

سُرخ نشان ×

اگر آپ کے نام اور پتے کی چٹ پر سرخ نشان × ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ کا چندہ خریداری ختم ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آپ کا فرض ہے کہ اگر آپ پرچہ کی خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں تو اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیں۔ اس میں آپ کو V.P وی پی کے اخراجات کی بچت رہیگی۔ یا ہمیں وی پی بھیجنے کی اجازت لکھ بھیجیں۔ اگر آپ نہ چندہ ارسال کریں اور نہ V.P کیلئے لکھیں……

محمد شفیع عمر الدین ساہیوال

اعلیٰ اخلاق

(قسط اوّل)

اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان پر اپنی بے انتہا رحمت و شفقت فرمائی کہ اُسے اشرف المخلوقات بنایا۔ اور اس کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے۔ اس پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں سمجھے اور اس کے اوامر پر عمل کرتا رہے اور نواحی سے اجتناب کرتا رہے۔ زندگی کے ہر شعبے کیلئے ہمارے پاس قرآن مجید اور حدیث شریف میں کمل رہنمائی ہے۔ اخلاق کا مکمل لائحہ عمل بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر چند باتیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ تعلق باللہ

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا (بنی اسرائیل آیت ۲۲)

ترجمہ:۔ اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنا۔ ورنہ تو ذلیل بیکس ہو کر بیٹھیگا (حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ)

حاصل کلام اشرف المخلوقات کے لئے تعلق باللہ کی درستگی پہلا زینہ ہے۔ توحید کے بغیر نہ ہی منزلِ مقصود کا پتہ لگنا ممکن ہے۔ نہ ہی منزل مقصود تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اب اگر یہ اشرف المخلوقات ہو کر اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر اسکی فانی بے بس اور کمزور مخلوق کے آگے جُھکے تو یہ ذلیل حرکت اسے رحمت الٰہی سے دُور کر دیگی۔ لہٰذا بلند اخلاق انسان میں سب سے پہلی یہ وصف ہونی چاہیئے کہ وہ اپنا تعلق باللہ درست رکھے۔ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (الانعام آیت ۷۶) ۔ میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کا نظریہ ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (الانعام آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

نیز دُوسرے مقام پر فرمایا۔ "اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں پیدا کیا" (البقرہ۔ آیت ۲۱)

حاصل کلام عقائد کی درستگی کے بعد اب عملی زندگی میں قدم رکھیئے اور تا دمِ مرگ خلوص کے ساتھ اپنے پروردگار جلشانہٗ کی عبادت کرتے رہیئے۔ عبادت بھی اس طریقہ پر کرنی ہوگی۔ جس طریقہ پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اور سرکارِ دو عالم نے کرکے دکھایا۔ عبادت میں سب سے اوّل اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ جس کی قرآن کریم اور احادیث میں بار بار تاکید آئی ہے۔ پنجگانہ نماز سب ارکان بجا لا کر با جماعت بڑے اہتمام سے ادا کرتے رہیئے۔

۳۔ والدین کی عزّت

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ...تا... غَفُوْرًا (بنی اسرائیل آیت ۲۳ تا ۲۵)

ترجمہ۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی سے ساتھ جُھکے رہو اور کہو میرے رب جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔ اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما جو تمہارے دلوں میں ہے۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اگر تم نیک ہوگے۔ تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے

حاصل کلام اولاد کے ذمے فرض ہے کہ وہ

۱۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرے

۲۔ بوڑھے ماں باپ کو اُف (ہوں) تک بھی نہ کہے۔ تاکہ انکی دل آزاری نہو۔

۳۔ انہیں جھڑکے یا ڈانٹے نہ۔

۴۔ ان کے ساتھ با ادب سلیقے کے ساتھ اچھی گفتگو کرے۔

۵۔ عاجزی اور شفقت کے ساتھ انکے سامنے جھکا رہے

۶۔ اللہ تعالےٰ سے ان کیلئے دُعائے خیر مانگتا رہے

۷۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں دل میں اگر کوئی خیال گزرے۔ تو فوراً رجوع الی اللہ اور استغفار کرے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "یعنی دل میں آوے کہ بوڑھے ماں باپ سے اس طریقہ پر نباہ مشکل ہے تو فرمادیا کہ جسکی نیت نیکی پر ہے۔ اگر خطا کرے اور پھر رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے"۔ (موضح القرآن)

ماں باپ کی اطاعت کے بارے میں سورہ لقمان میں یوں آیا ہے۔

"اور ہم نے انسان کو اسکے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہے۔ کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کرے۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک بنائے۔ جس کو تو جانتا بھی نہو۔ تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے پیش آ"۔ (آیت ۱۴۔ ۱۵)

حاصل کلام اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اس لئے عبادت کے لائق صرف وہی ذات پاک ہے۔ مگر والدین عزت اور احسان کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تکلیفیں اُٹھا کر اپنے لخت جگر کی پرورش کی۔ خیال رکھنا کہ بوڑھے ماں باپ کی کوئی بات تجھے آگ بگولہ نہ کر دے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ غصہ بڑا عقلمند ہے جو ہمیشہ کمزور پر آتا ہے"۔ اگر کسی وقت ان کی بات تجھے غصہ کی طرف ابھارے۔ تو تجھے فوراً رُک جانا چاہیئے اور اللہ کا حکم اس وقت دھیان میں لانا چاہیئے کہ انہیں اُف تک بھی نہ کہی جائے۔ نیز پورے عزت و احترام کے ساتھ ان کے ساتھ نبا ہے۔ تواضع عاجزی فروتنی اور خاکساری کے ساتھ ان کا پُورا ساتھ دے۔ یاد رہے والدین کی دُعا اولاد کے لئے بڑی چیز ہے

حدیث میں تین شخصوں کا ذکر آیا ہے جو بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ اتفاقاً پہاڑ کا ایک پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ ان تینوں نے باری باری اپنی گزشتہ نیکیوں کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی جو مستجاب ہو گئی۔ پتھر غار کے مُنہ سے ہٹ گیا اور یہ تینوں صحیح سلامت باہر

نکل آئے۔ ان میں سے ایک اپنے والدین کا بڑا فرمانبردار تھا۔ اپنے اہل و عیال پر والدین کی خدمت اور رضامندی کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کی فرمانبرداری کا ایک واقعہ خود اس کی زبانی سنئے۔

"میرے والدین بڑے بوڑھے تھے۔ میرے چھوٹے بچے بھی تھے۔ جن کی سرپرستی میں کیا کرتا تھا۔ شام کو جب واپس آتا اور دودھ دوہتا تو بچوں سے پہلے ماں باپ کو پلاتا تھا۔ ایک روز اتفاقاً میں چارہ کی وجہ سے دُور چلا گیا۔ اور شام سے قبل واپس نہ لوٹ سکا۔ واپس آیا تو دیکھا کہ دونوں سو چکے ہیں۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور دودھ لے کر والدین کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ان کو بیدار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا اور بچے میرے قدموں میں چیخ رہے تھے۔ میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کو اوّل دودھ دوں۔ صبح تک میری اور بچوں کی یہی کیفیت رہی۔ (بخاری کتاب الادب)

حدیث۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو بہت زیادہ احسان جتانے والا ہو۔ نہ وہ شخص جو ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ شراب پینے والا (مشکوٰۃ)

حدیث۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اسکی ناک غبار آلود ہو۔ اسکی ناک غبار آلود ہو۔ اس کی ناک غبار آلود ہو پوچھا گیا یا رسول اللہ کس کی؟ فرمایا اس شخص کی۔ جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا یا دونوں کو بوڑھا پایا اور پھر جنت میں نہیں داخل ہوا۔ (یعنی ان کی خدمت کر کے) (مشکوٰۃ)

حاصل کلام۔ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ نافرمانی کی سزا دوزخ ہے۔

والدین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کی یہ صورتیں ہیں

(۱) ان کیلئے دُعا و استغفار کرتے رہنا
(۲) اُن کی وصیت کو پورا کرنا
(۳) اُن کے ناتے داروں سے اچھا برتاؤ کرنا
(۴) اُن کے دوستوں کی عزت کرنا۔

(ماخوذ از مشکوٰۃ)

۴۔ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل آیت ۲۶)

ترجمہ۔ "اور رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے دو"

حدیث۔ مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ پس بہترین مخلوق میں سے وُہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے۔

حدیث۔ وہ شخص کامل مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ پہلو میں بھوکا ہو۔

حاصل کلام ہمسایہ کی خبرگیری کرنا ہر ایک پر لازم ہے۔ مسکین کے سمت میں اپنے اور پرائے سب آ جاتے ہیں۔

حدیث۔ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے اپنی سنگدلی کی شکایت کی۔ آپؐ نے اس کے علاج میں فرمایا۔ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور غریبوں کو کھانا کھلایا کرو۔ (مشکوٰۃ عن حضرت ابوہریرہؓ)

حاصل کلام۔ قساوت قلبی دُور کرنے کا بہت عمدہ طریقہ ارشاد فرمایا۔ مسکینوں غریبوں اور یتیموں کی روٹی کی فکر کرکے اُن کے دل کی دُعائیں لوگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی قساوت دور کر دے گا۔

۵۔ فضول خرچی

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۲۷) ترجمہ اور مال کو بیجا خرچ نہ کرو۔ بیشک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگزار ہے۔

حاصل کلام اول مال کی مقررہ زکوٰۃ باقاعدہ نکالتے رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد جائز موقعوں پر حسب توفیق خرچ کرتے رہنا چاہیئے۔ مگر یہ دھیان رہے کہ اعتدال کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ غیر شرعی امور پر خرچ کرنا بیجا خرچ کی مد میں آتا ہے۔ اس طرح پر اگر ایک کوڑی بھی صرف ہوگی تو وہ بیجا خرچ میں شمار ہوگی۔ یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اور کفران نعمت زوال نعمت کا باعث بن سکتا ہے

حدیث۔ اللہ تم پر تین باتوں سے راضی ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ تین باتیں جن سے راضی ہوتا ہے (یہ ہیں) (۱) اس کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (۲) اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے پکڑے رہو (۳) اپنے حاکم کو نصیحت کرو (یعنی نیک باتیں اسے بتاؤ اور بُری باتوں سے بچاؤ) پر ناراض ہوتا ہے۔ (۱) بہت باتیں کرنے پر (۲) اور مال تلف کرنے پر (اِضَاعَةَ الْمَالِ) اور بہت مانگنے اور سوال کرنے پر (موطا امام مالک رح)

ایک بزرگ کے ارشادات ملاحظہ ہوں

(الف) حدیث میں اضاعۃ مالی کے معنی پھینکنے کے نہیں۔ بلکہ مراد گناہ میں خرچ کرنا ہے۔ اور اس سے رُکنا طبعی امر نہیں تھا۔ اس لئے اضاعۃ مال سے منع کیا گیا....

(ب) "جہاں شریعت نے منع کیا ہے وہاں خرچ کرنا اضاعۃ مال ہے ...."

(ج) "حضرات صحابہؓ بڑے امیر تھے۔ مگر ہم میں اور ان میں فرق یہ تھا کہ وہ حلال سے کماتے تھے اور حلال میں خرچ کرتے تھے۔ نہ آمد میں ان پر کوئی اعتراض ہو سکتا تھا۔ نہ خرچ میں اور ہماری یہ حالت ہے کہ نہ کمانے میں حلال و حرام کا خیال نہ اُٹھاتے ہیں۔ آمد بھی قابل الزام خرچ بھی قابل الزام۔

(د) مبذرین کو اخوان الشیاطین فرمایا اور شیطان کی صفت کفور فرمائی تو مبذرین کیلئے بھی یہ صفت کفور ثابت ہو گئی اور کفور کفران سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ناشکری کے ہیں۔ اسکا مقابل شکر ہے۔ جب ناشکری سبب ہوئی اسراف و اضاعۃ مال کی تو شکر سبب ہوگا۔ حفظ مال کا اور ناشکری کی مذمت ہے اور اس سے نہی ہوئی ہے تو شکر مدح ہوئی اور اسپر تحریض ہوگئی"

۶۔ اعتدال

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۲۹)

ترجمہ۔ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہؤا نہ رکھ۔ اور نہ اُسے کھول دے۔ بالکل کھول دینا۔ پھر پشیمان تہی دست ہو کر بیٹھ رہے گا۔

مسند کی حدیث میں ہے۔ درمیانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا (ابن کثیرؒ)

میانہ روی کا جو ہو جائے عادی
نہ محسوس ہوگی اُسے تنگدستی
جو حاصل کریگا میانہ روی، بنائیگا اللہ اس کو غنی
(اربعین عندلیب)

(باقی دارد)

الحاج فیاض ادیب دیوبند

خلیل اللہؑ کا خطاب بہ اہلِ اسلام و اہلِ کتاب

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ٥ (سورۃ النساء ع ۱۸ پ۵)

ترجمہ۔ دین کے لحاظ سے کون اس سے بہتر ہے۔ جس نے اللہ کے لئے اپنا سر جھکا دیا۔ اس حال میں کہ وہ نیکوکار ہو اور مخلص ہو کہ ابراہیمؑ کے دین کا اتباع کیا اور اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا۔

حق و باطل کی جنگ

ابتداء آفرینش سے کائنات میں حق و باطل۔ نور و ظلمت۔ ہدایت و ضلالت اور علم و جہل کی جنگ جاری ہے۔ چنانچہ ابوالبشر حضرت آدمؑ اور ابلیس لعین میں معرکہ آرائی ہوئی جسکا سلسلہ ان کی ذریت میں قیامت تک منتہی ہے اللہ کا آخری کلام قرآن رحمٰن اور شیطان کی اسی کشاکش کی داستان ہے اس لئے اس کے شروع ہی میں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ٥ (سورۃ الفاتحہ)

یا اللہ ہم کو راہ راست پر چلا جو راہ ہے ان لوگوں کی جن کو تو نے انعام دیا اور ان لوگوں کی راہ نہیں ہے۔ جن پر غضب کیا گیا اور جو بھٹک گئے۔

باقی تمام قرآن اسی دعا کا جواب ہے اس روحانی جد و جہد میں سنت اللہ یہ ہے کہ جب باطل کی تاریکی حق کے نور پر چھا جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی تاریکی میں نور چمکا کر ظلمت کو دور کر دیتا ہے

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ٥ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٥ (سورۃ الصف ع ۱ پ ۲۸)۔

وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کا قصد کرتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے۔ اگرچہ کفار ناپسند کریں۔ وہ (اللہ) وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق کے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹ پ ۱۵)

"حق آ گیا اور باطل غائب ہو گیا۔ بے شک باطل غائب ہونے والی چیز ہے"

حضرت ابراہیمؑ کی بعثت

چنانچہ آپ کے حالات اسی عادت الٰہی کا عملی ثبوت ہیں۔ اب سے چار ہزار سال پہلے جب بابل کی سرزمین پر باطل نے قبضہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی خاک سے آپ کو مبعوث کر کے طاغوتی پردوں کو چاک اور ملک کو شرک کی نجاست سے پاک کر دیا۔

آپ کی قوم کفر۔ شرک۔ توہم اور فسق و فجور میں مبتلا تھی۔ بت پرستی اور کواکب پرستی اس کی محبوب ترین عبادت تھی وہ اپنی حیثیت کو نظر انداز کر کے روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اسفل سافلین بن گئی تھی۔ مسجود ملائک انسان مجسم کفر و عصیان بن کر اور عزت نفس کو قربان کر کے اپنے دین و ایمان کے گراں بہا موتیوں کو خود ساختہ مورتیوں پر نچھاور کر رہا تھا اور صراط مستقیم سے منحرف ہونے کی وجہ سے انعام الٰہی سے محروم ہو کر کالانعام ہو گیا تھا۔ آپ نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے گرد اعلےٰ تمدن کے باوجود جہالت و ضلالت کے بدترین نمونے دیکھے جن سروں کو قدرت نے فضیلت اور اشرفیت کے تاج سے عزت بخشی تھی۔ وہ اپنے حقیقی معبود کی بجائے بتوں کے سامنے جھک کر ذلیل ہو رہے تھے۔ آپ کا گھر خود ایک بتخانہ بلکہ بتوں کا کارخانہ تھا۔ کیونکہ آپ کا باپ بت ساز تھا۔ غرض تمام فضا مشرکانہ صداؤں سے گونج رہی تھی اور مخلوق اپنے خالق سے باغی ہو گئی تھی۔ انسان کے عام رجحان کے مطابق آپ کو انہی عقائد و اعمال کا پابند ہونا چاہیئے تھا۔ جو اس ماحول میں رائج تھے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے آپ کے ذریعہ سے شرک کی بیخکنی اور توحید کی تخمریزی مقدر کر دی تھی۔ اس لیئے آپ نے ان مکروہ مناظر کا اثر قبول نہ کیا اور شرک کی آغوش میں پرورش پا کر بھی توحید کا علم بلند کیا

آپ کی قوم ستارہ پرست اور علم نجوم کی معتقد تھی اور کائنات کے حالات کو ستاروں کی گردش پر موقوف سمجھتی تھی۔ لہٰذا آپ نے اس کی اصلاح کے لئے اس کی فکری استعداد کو ملحوظ رکھ کر سب سے پہلے سیاروں کی طرف توجہ کی اور مناظرہ اور اتمام حجت کے طور پر ستارہ۔ چاند اور سورج کو یکے بعد دیگرے رب فرض کر لیا۔ اور پھر "اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" (میں چھپنے والوں سے محبت نہیں کرتا) کہہ کر ان کا عجز ثابت کر دیا اور

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ٥ (سورۃ الانعام ع ۹۔ پ۷)

تم جس چیز کو خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔ میں اس سے بیزار ہوں میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اس حال میں کہ میں حنیف ہوں اور میں مشرکین میں نہیں ہوں

کا ڈنکا بجا کر توحید کا اعلان کر دیا

حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ

آپ نے دعوت و تبلیغ کی ابتدا اپنے گھر سے کی اور اپنے باپ کی قرابت و عظمت و محبت کو بھی اس راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔ اور اس سے پوچھا۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورۃ الانعام رکوع ۹۔ پ۷)

کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو۔ بیشک میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں

يَآ أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَآ أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَآءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَآ أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَآ أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝

(سورہ مریم ع ۳ پ ۱۹)

"اے باپ تم ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تم کو کچھ فائدہ پہنچاتی ہے۔ اے باپ بیشک مجھ کو وہ علم حاصل ہوا ہے جو تم کو حاصل نہیں ہوا۔ پس میرا اتباع کرو۔ میں تم کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کروں گا۔ اے باپ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ بیشک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے اور تم شیطان کے دوست بن جاؤ۔"

اس نے آپ کی نصیحت نہ مانی اور آپ کو دھمکی دی۔

أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ (سورۃ مریم ع ۳ - پ ۱۹)

"اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگرداں ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں ضرور تجھے رجم کروں گا۔ اور تو مجھے کچھ مدت کے لئے چھوڑ دے۔"

چونکہ یہ کام آپ کا نہیں۔ بلکہ اللہ کا تھا اور ہمدردی اور خلوص پر مبنی تھا۔ اس لئے آپ نہ اس کی دھمکی سے ڈرے۔ نہ اس کا دشمن بنے۔ بلکہ خیر خواہی سے یہ جواب دیا۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ (سورہ مریم ع ۳ - پ ۱۹)

"سلامتی ہو تم پر۔ میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے۔ اور میں تم سے اور اس چیز سے جسے تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو علیحدہ ہوتا ہوں اور میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے رب سے دعا کرکے نامراد نہیں رہوں گا

لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (سورۃ الممتحنہ ع ۱ پ ۲۸) — "میں تمہارے لئے ضرور مغفرت کی دعا کروں گا۔ اور میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف ہم کو لوٹنا ہے۔"

جب اس نے آپ کا پیغام قبول نہ کیا اور شرک سے توبہ نہ کی تو آپ نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ کیونکہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ

(سورۃ البقرہ ع ۲۰ - پ ۲)

"اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں" کے بموجب اللہ کی محبت ہر چیز کی محبت پر غالب ہونی چاہیئے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (سورۃ التوبہ ع ۱۴ - پ ۹)

"جب ابراہیمؑ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ (اس کا باپ) اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا۔"

پھر آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کیا کہ تمہاری حالت پر افسوس ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تم کو اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک بنا کر اس لئے خلافت عطا کی تھی کہ تم دنیا میں قانون الٰہی کو نافذ کرو اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ لیکن تم اللہ تعالےٰ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر فطرت سے جنگ کر رہے ہو

مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (سورۃ الصّٰفّٰت ع ۲ پ ۲۳) — "تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا تم جھوٹ یعنی اللہ کے سوا معبود چاہتے ہو۔ پس جہانوں کے پروردگار کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے۔ کیا تم اپنی تراشی ہوئی چیز کی عبادت کرتے ہو حالانکہ اللہ نے تم کو اور جو کچھ تم بناتے ہو اسے پیدا کیا۔"

مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ (سورۃ الانبیاء ع ۵ پ ۱۷)

"یہ مجسمے کیا ہیں۔ جن کے لئے تم جمے بیٹھے ہو۔

هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ (سورۃ الشعراء ع ۵ پ ۱۹) — "کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں یا تم کو نفع پہنچاتے ہیں"

اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

(سورۃ العنکبوت ع ۲ - پ ۲۰۔)

"اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو تم اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی پرستش کرتے ہو اور جھوٹی بات بناتے ہو۔ بیشک وہ لوگ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ تمہارے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کے پاس رزق طلب کرو۔ اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر کرو۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ تو بے شک تم سے پہلی امتوں نے بھی جھٹلایا اور رسول کے ذمہ کھلی تبلیغ کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

اس تقریر کا جواب انہوں نے وہی دیا جو اہل باطل اور کور باطن ہمیشہ دیا کرتے ہیں۔ یعنی

وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ

(سورۃ الشعراء ع ۵ پ ۱۹)

"ہم نے اپنے آباء کو ایسا کرتے ہوئے پایا۔"

وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۝

(سورۃ الانبیاء رکوع ۵ پ ۱۷)

"ہم نے اپنے آباء کو انکی عبادت کرتے ہوئے پایا۔"

گویا ان کے پاس اپنے اس عمل کی کوئی معقول دلیل نہیں تھی۔ بلکہ آنکھیں بند کرکے اپنے آباء کے طریقہ پر چل رہے تھے۔ آپ نے ان سے صاف کہہ دیا کہ:۔

لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (سورۃ الانبیاء ع ۵ پ ۱۷)

"بے شک تم اور تمہارے آباء کھلی گمراہی میں تھے۔"

ان کو اس بیباکی اور جسارت کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے حیرت سے پوچھنے

لگے۔

أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ (سورۃ الانبیاء رکوع ۵ پ ۱۷)

"کیا تو صداقت لے کر آیا ہے۔ یا دل لگی کر رہا ہے"

آپ نے جواب دیا۔

بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (سورۃ الانبیاء ع ۵ پ ۱۷) — "بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ جس نے ان کو پیدا کیا اور میں اس بات پر شہادت دینے والوں میں ہوں۔

اور ساتھ ہی ان کو آگاہ کر دیا۔

تَاللّٰهِ لَأَكِيْدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء ع ۵ پ ۱۷) — "اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔ جب تم چلے جاؤ گے۔

بت شکنی

چنانچہ جب وہ لوگ عید منانے کے لئے شہر سے باہر گئے تو آپ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور بت کدہ میں گھس کر ایک تیشہ سے بڑے بت کے سوا باقی سب بتوں کے ٹکڑے کر دیئے۔ جب انہوں نے واپس آ کر اپنے معبودوں کا یہ حال دیکھا تو کہرام مچ گیا اور وہ پریشان ہو کر پکارنے لگے

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا إِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء ع ۵ - پ ۱۷)

"کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کیا؟ بے شک وہ کوئی ظالم ہے"

معاملہ کی تفتیش ہوئی۔ قیاس کے تیر چلائے گئے۔ ایک دوسرے سے پوچھا گیا کہ ایسی جرأت کون کر سکتا ہے؟ آخر بعض نے کہا۔

سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ إِبْرٰهِيْمُ (سورۃ الانبیاء ع ۵ پ ۱۷)

"ہم نے ایک جوان کو جس کا نام ابراہیم ہے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے"

وہ ان معبودوں کی تنقیص اور مذمت کیا کرتا تھا۔ ہو نہ ہو یہ کارروائی اسی کی ہے

چنانچہ آپ کی گرفتاری کا حکم ہوا۔

قَالُوْا فَأْتُوْا بِهٖ عَلٰى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ (ایضاً)

"انہوں نے کہا اسے لوگوں کے سامنے لاؤ۔ تاکہ وہ شہادت دیں"

مجھے پنچوں کے سامنے لایا گیا۔ جنہوں نے پوچھا

ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓإِبْرٰهِيْمُ (ایضاً)

"اے ابراہیم۔ کیا تو ہی نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی کی ہے"؟

آپ نے لطیف پیرایہ میں ایسا الزامی جواب دیا۔ جس سے وہ اپنے مشرکانہ عقیدہ کی لغویت محسوس کر کے حقیقت پر غور کریں۔ کیونکہ دعوت و اصلاح کا یہ ایک مؤثر طریقہ ہے جو ہر واعظ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ محض لٹھ مارنے سے کوئی دعوت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

آپ نے ان سے کہا

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (ایضاً)

"بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کیا۔ پس ان سے یہ پوچھ لو۔ اگر یہ بات کرتے ہوں"

ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

کسی مبلغ اور مصلح کو انسانی فطرت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ تبلیغ و اصلاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسے یقین کرنا چاہیئے کہ انسان طبعاً حق پسند ہے۔ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور بعد میں ماحول کے اثر یا والدین کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے فطرت صحیحہ سے منحرف ہو کر غیر مسلم بن جاتا ہے۔ اور اس کو پھر مسلم بنانا گو مشکل ہو مگر ناممکن نہیں ہے انبیا اور ان کے متبعین کا فرض منصبی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی غیر مسلم کو مسلم بنانا ہے۔ چنانچہ اس حکیمانہ جواب کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ باوجودیکہ وہ کئی پشتوں سے کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ لیکن آپ کی حق گوئی سے متاثر ہو کر سوچ میں پڑ گئے اور اپنے عقائد کی رکاکت محسوس کرنے لگے اور یہی آپ چاہتے تھے۔

فَرَجَعُوْٓا إِلٰٓى أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء ع ۵ پ ۱۷)

"پس وہ اپنے دل میں سوچنے لگے اور بولے یقیناً تم ہی ظالم ہو"

یعنی ہم ابراہیمؑ کو ظالم کہتے تھے لیکن در اصل وہ نہیں۔ بلکہ ہم ظالم ہیں جو ایسے لچر عقیدے رکھتے ہیں۔

گویا آپ کا جواب کسی حد تک کامیاب ہوا اور انہوں نے بت پرستی پر نادم ہو کر اپنے ظالم اور اہل باطل ہونے کا اقرار کر لیا۔ وہ بغلیں جھانکنے لگے۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ۔

پھر انہوں نے (شرم سے) سر جھکا لئے۔ آخر لاجواب ہو کر دبی زبان سے بولے۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ (ایضاً)

"اے ابراہیم تم جانتے ہی ہو کہ یہ بت بات نہیں کرتے"

یہی آپ ان سے کہلوانا چاہتے تھے جب انہوں نے اس طرح اپنے معبودوں کی بے چارگی اور شکست کا اعتراف کر لیا۔ تو آپ نے کہا۔

أَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (ایضاً)

"پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچاتی ہے۔ نہ ضرر دیتی ہے۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جسے تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں"؟

آپ نے اس خوش اسلوبی سے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا اور حکمت و موعظت کے ساتھ ان کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلایا۔ لیکن ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی تھی اور وہ آپ کے پیغام کی صداقت کے قائل ہونے کے باوجود اسے قبول کرنے اور اپنے آبائی مسلک کو ترک کرنے اور آپ کی مخالفت سے باز آنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ آپ کی تقریر سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جب ان سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو وہ آگ بگولا ہو گئے اور طیش میں آ کر بولے۔

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (ایضاً)

"اسے جلاؤ اور اپنے معبودوں کی (توہین کا انتقام لے کر انکی) مدد کرو۔ اگر تم کو کچھ کرنا ہے"

جب آدمی دلائل سے اپنے حریف کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو وہ ایسے ہی اوچھے ہتھیار استعمال کرتا ہے۔

تبلیغ ہدایت کا راستہ کانٹوں سے بھرا ہُوا ہے۔ جس میں ہر قدم پر عزت اور مال نہیں۔ بلکہ جان کا بھی خطرہ ہے۔ آپ نے جب اس راہ میں قدم رکھا تو ساری قوم آپ کے خون کی پیاسی ہو گئی۔ لیکن یہ بات خلاف توقع نہیں تھی اور آپ نے اپنے مال اور جان کو اللہ کی امانت سمجھ کر اور اسکی راہ میں قربان کرنے کا عزم کر کے یہ قدم اٹھایا تھا۔ اس لئے مخالفت کے طوفان کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور پیچھے نہ ہٹے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان کے ہر شر سے نجات دی اور وہ ناکام و نامراد رہے۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء ع ۵ - پ ۱۷) ـــــ "ہم (اللہ) نے کہا۔ کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ پر سلامتی بن جا اور ان لوگوں نے اس کے ساتھ فریب کا ارادہ کیا۔ پس ہم نے ان کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا بنایا"

نمرود سے مقابلہ

انہوں نے آپ کے دلائل و براہین سے عاجز آ کر بادشاہِ وقت نمرود سے شکایت کی کہ بابل میں ایک شخص ہمارے آبائی مذہب سے روگردان ہو کر ہم کو ایک نئے دین کی دعوت دے رہا ہے بادشاہ نے آپ کو دربار میں طلب کیا اب آپ کو اہل بابل کے صنم اکبر کا مقابلہ کرنا تھا۔ بت صرف پتھر کے مجسمہ کو نہیں کہتے۔ بلکہ جس چیز کو خدائی حقوق دیدیئے جائیں۔ وہی بت ہے۔ یہاں تک کہ اگر انسان اپنے نفس کی ایسی اطاعت کرے۔ جیسی خدا کی کرنی چاہیئے تو نفس اس کا بت اور معبود ہے۔ نمرود الوہیت کا مدعی تھا اور رعایا سے اپنی پرستش کراتا تھا۔ لہٰذا وہ گوشت پوست کا زندہ اور چلتا پھرتا بت تھا۔ جس کا توڑنا بدرجہ اولیٰ فرض تھا۔

جب آپ کو دربار میں لایا گیا تو بادشاہ نے پوچھا۔ تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے جواب دیا۔

رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ـ (سورۃ البقرہ ع ۳۵ - پ ۳)

"میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے"

وہ بولا۔ "اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ"

"وہ بولا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں" لہٰذا میں اپنی رعایا کی جانوں کا مالک ہوں۔ لہٰذا رب ہوں۔

چونکہ وہ سیارہ پرست تھا۔ اس لیے آپ نے کہا

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (ایضاً)

"بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ پس تو اسے مغرب سے لا۔

یعنی جب تم کو خدائی اختیار حاصل ہیں۔ تو سورج پر بھی قدرت ہوگی۔ یہ سن کر وہ مبہوت ہو گیا۔ کیونکہ آفتاب کے پرستار ہونے کی حیثیت سے اس کے طلوع و غروب کے مختار ہونے کا دعوےٰ نہیں کر سکتا تھا۔

خاندان۔ قوم اور سلطنت آپ کے دشمن بن گئے۔ لیکن آپ کو اپنے رب پر بھروسہ تھا اور اس کی معیت حاصل تھی۔ اس لئے ان کے غلبہ واقتدار سطوت و عظمت اور شان و شوکت سے مطلق مرعوب نہ ہوئے۔ حق گوئی سے زبان نہ روکی۔ اور پائے صفات میں لغزش پیدا نہ ہونے دی۔ بلکہ صبر و تحمل اور استقلال کے ساتھ مؤثر اور دلآویز طریقہ سے ان کو پیغام حق پہنچاتے رہے

لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔـا ـ (سورۃ الانعام ع ۹ پ ۷) ـــــ "تم جس چیز کو اس (اللہ) کا شریک قرار دیتے ہو۔ میں اس سے نہیں ڈرتا۔ مگر یہ کہ میرا رب کچھ چاہیے"۔

ہجرت

آخر جب بابل میں قیام ناممکن ہو گیا۔ تو اللہ کے حکم سے آپ اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ ترکِ وطن کر کے "اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ" کہتے ہوئے فلسطین میں آباد ہو گئے۔ جس کا وعدہ آپ سے کیا گیا تھا۔ جب آپ کو ایک ضرورت سے مصر جانا پڑا تو وہاں کے بادشاہ نے اظہار عقیدت کے طور پر اپنی لڑکی ہاغار (ہاجرہ) کو اپنی زوجیت میں دے دیا۔ یہود و نصاریٰ جو آپ کے اتباع کے مدعی ہیں اور آپ کی نسل میں صرف اولاد سارہ (اسحاقؑ اور اس کی ذریت) کو مانتے ہیں اور پیغمبر اسلامؐ سے بغض و تعصب کے جوش میں ہاجرہ کی تنقیص کرنے کے لئے ان کو باندی کہتے ہیں وہ تاریخی واقعہ پر غور کریں۔ ہاجرہ باندی نہیں بلکہ شہزادی تھیں اور آپ کی رفیقۂ حیات ہونے کی حیثیت سے سارہ کی ہمسر تھیں۔ ایک شخص کی تمام ازواج کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔

آپ سن رسیدہ ہونے کے باوجود اب تک اولاد سے محروم تھے۔ ہجرت کے بعد آپ نے ایک صالح فرزند کے لئے دعا کی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۃ الصّٰفّٰت ع ۳ - پ ۲۳)

"اے میرے رب مجھے ایک فرزند عطا کر جو صالحین میں ہو"

کیونکہ دعا توکل اور تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کی روح اور انبیاء کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر کے ایک حلیم فرزند کی بشارت دی فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ چنانچہ حضرت ہاجرہؓ سے ایک بچہ پیدا ہُوا۔ جس کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا۔ اس وقت آپؑ کی عمر اسی برس سے زیادہ تھی +

(باقی آئندہ)

از عبدالرحمٰن لدھیانوی شیخوپورہ

سوانح حضرت مریم علیہا السلام از روئے قرآن

آل عمران آل ابراہیم کی ایک شاخ ہے

خدا کی مخلوقات میں زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور جن، شجر و حجر سب ہی شامل تھے۔ مگر اس نے اپنے علم محیط اور حکمت بالغہ سے ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کا جو مجموعہ ابوالبشر آدم علیہ السلام میں ودیعت کیا وہ مخلوقات میں سے کسی کو نہ دیا۔ بلکہ آدم کو مسجود ملائکہ بنا کر ظاہر فرما دیا کہ آدم کا اعزاز و اکرام اس کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے زیادہ ہے۔ آدم کا یہ انتخابی اور اصطفائی فضل و شرف جسے ہم نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ کچھ انکی شخصیت پر محدود و مقصور نہ تھا۔ بلکہ منتقل ہو کر انکی اولاد میں نوح ؑ کو ملا۔ پھر منتقل ہوتا ہوا نوح علیہ السلام کی اولاد حضرت ابراہیم ؑ تک پہنچا۔ یہاں سے ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ آدم و نوح علیہما السلام کے بعد جتنے انسان دنیا میں آباد رہے تھے وہ سب ان دونوں کی نسل سے تھے۔ کوئی خاندان دونوں کی ذریت سے باہر نہ تھا۔ برخلاف اس کے ابراہیم کے بعد انکی نسل کے علاوہ دنیا میں دوسرے بہت خاندان موجود رہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے اپنی بیشمار مخلوقات میں سے منصب نبوت کے لئے آدم کا انتخاب کیا تھا اسی کے علم محیط اور اختیار کامل نے آئندہ کے لئے ہزاروں گھرانوں میں سے اس منصب جلیل کے واسطے ابراہیم کے گھرانے کو مخصوص فرما دیا۔ جس قدر انبیاء و رسل ابراہیم ؑ کے بعد آئے ان ہی کے دو صاحبزادوں اسحٰق ؑ و اسمٰعیل ؑ کی نسل سے آئے۔ چونکہ عموماً نسل کا سلسلہ باپ کی طرف سے چلتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے وہم ہو سکتا تھا کہ ان کو نسل ابراہیمی سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آل عمران اور ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ فرما کر متنبہ کر دیا کہ حضرت مسیح ؑ جب صرف ماں سے پیدا ہوئے تو ان کا سلسلہ نسب بھی ماں ہی کی طرف سے لیا جائے گا۔ نہ کہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ ان کی والدہ مریم صدیقہ کے باپ عمران کا سلسلہ آخر حضرت ابراہیم ؑ پر منتہی ہوتا ہے تو آل عمران آل ابراہیم ؑ کی ایک شاخ ہوئی اور کوئی پیغمبر خاندان ابراہیمی سے باہر نہ ہوا۔ (حضرت مولانا محمود الحسن ؒ)

حنہ والدہ مریم کی دعا

عمران کی عورت حنا بنت فاقوذا نے اپنے زمانے کے رواج کے موافق منت مانی تھی کہ خداوندا جو بچہ میرے پیٹ میں ہے۔ میں اسے تیرے نام پر آزاد کرتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ تمام دنیوی مشاغل سے آزاد رہ کر ہمیشہ خدا کی عبادت اور کلیسیا کی خدمت میں لگا رہے گا۔ اے اللہ! تو اپنی مہربانی سے میری نذر قبول فرما تو میری عرض کو سنتا ہے اور میری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ گویا لطیف پیرایہ میں استدعا ہوئی کہ لڑکا پیدا ہو۔ کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کے لئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ "پھر جب اس کو جنا۔ بولی اے رب! میں نے تو لڑکی جنی! اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور بیٹا نہ ہو جیسے وہ بیٹی، اور میں نے اس کا نام رکھا مریم، اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اسکی اولاد کو شیطان مردود سے"۔ پ ۳ ع ۱۲

(مطلب) گو لڑکی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے لڑکے سے بڑھ کر اسے قبول فرمایا۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا۔ کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کر لیں اور اپنے مقبول بندہ زکریا ؑ کی کفالت میں دیا اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے سرافراز کیا۔ جسمانی، روحانی، اخلاقی ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا۔ جب مجاورین میں اس کی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعہ انتخاب حضرت زکریا ؑ کے نام نکال دیا تاکہ لڑکی اپنی خالہ کی گود میں پرورش پائے اور زکریا ؑ کے علم و دیانت سے مستفید ہو۔ زکریا ؑ نے پوری مراعات اور جدو جہد کی۔ حدیث میں ہے کہ آدمی کے بچہ کو ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آ رہتا ہے۔ شیطان مس کرتا ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام اور مریم مستثنیٰ ہیں۔

جب مریم سیانی ہوئیں تو مسجد کے پاس اُن کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم ؑ دن بھر وہاں عبادت میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گزارتی۔ کہتے ہیں کہ مریم کے پاس بے موسم میوے آتے۔ گرمی کے پھل سردی میں۔ سردی کے گرمی میں۔ بہرحال مریم کی برکات ظاہر ہونی شروع ہوئیں۔

جب حضرت مریم نذر میں قبول کر لی گئیں تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے۔ آخر قرعہ اندازی کی نوبت آئی۔ سب نے اپنے اپنے قلم جن سے تورات لکھتے تھے چلتے پانی میں چھوڑ دیئے کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ پر نہ بہے۔ بلکہ اُلٹا پھر جائے اسی کو حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی قرعہ حضرت زکریا ؑ کے نام نکلا اور حق حقدار کو پہنچ گیا۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ پ ۳ ع ۱۳۔

ترجمہ۔ اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر۔ اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

حضرت مریم کی فضیلت

یعنی فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پہلے دن سے چھانٹ لیا کہ باوجود لڑکی ہونے کے اپنی نیاز میں قبول کیا۔ طرح طرح کے احوال رفیعہ اور کرامات سنیہ عطا فرمائیں ستھرے اخلاق، پاک طبیعت، اور ظاہری و باطنی نزاہت عطا فرما کر اپنی مسجد کی خدمت کے لائق بنایا اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو بعض وجوہ سے فضیلت بخشی۔ مثلاً ایسی استعداد رکھی کہ بغیر چھونے بشر کے تنہا اس کے وجود سے حضرت مسیح ؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔ خدا نے جب ایسی عزت اور بلند مرتبہ تجھ کو عطا

فرمایا ہے تو چاہیئے کہ ہمیشہ اخلاص و تذلل کے ساتھ اپنے پروردگار کے آگے جھکی رہے اور وظائف عبُودیت کے بجا لانے میں بیش از بیش سرگرمی دکھلائے تاکہ حق تعالیٰ نے جس امر عظیم کے بروئے کار لانے کا ذریعہ تجویز کیا ہے۔ وہ ظہور پذیر ہو۔

حضرت عیسیٰؑ کی بشارت

حضرت مریمؑ کی عمر پندرہ سال کی تھی شرم کے مارے مجمع سے الگ ہو کر ایک مکان میں چلی گئیں۔ جو بیت المقدس سے مشرق کی طرف تھا تو حضرت جبرئیلؑ ایک نوجوان خوبصورت مرد کی شکل میں پہنچے۔ مریمؑ نے اوّل دہلہ میں سمجھا کہ کوئی آدمی ہے۔ تنہائی میں یکایک ایک مرد کے سامنے آجانے سے قدرتی طور پر خوفزدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرشتہ کے چہرے پر تقوے و طہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں۔ اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا (جیسا کہ پاک نورانی چہرہ سے روشن تھا) تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کوئی تعرض نہ کریگا۔ فرشتہ نے کہا گھبراؤ نہیں۔ میری نسبت کوئی بُرا خیال آیا ہو تو دل سے نکال دو۔ میں آدمی نہیں۔ تیرے رب کا فرشتہ ہوں۔ اس لیئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تجھ کو ایک پاکیزہ صاف ستھرا اور مبارک و مسعود لڑکا عطا کروں۔ کہ وہ حسب و نسب اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے بالکل پاک ہوگا۔ مریمؑ کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بے شک یہ فرشتہ ہے۔ مگر تعجب ہوا کہ جس عورت کا شوہر نہیں جو اس کو حلال طریقہ سے چھو سکتا اور بدکار بھی نہیں کہ حرام طریقہ سے بچہ حاصل کرے اس کو پاکیزہ اولاد کیونکر مل جائے گی۔ فرشتہ نے کہا کہ یہ کام ضرور ہو کر رہیگا پہلے سے طے شدہ ہے۔ تخلف نہیں ہو سکتا۔ ہماری حکمت یہی چاہتی ہے۔ کہ بغیر مسّ بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے اور وہ دیکھنے اور سُننے والوں کے لئے ہماری قدرت عظیم کی ایک نشانی ہو۔ کیونکہ تمام انسان مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں آدمؑ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ اور حوّا کو صرف مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا۔ چوتھی صُورت یہ ہے جو حضرت مسیح میں ظاہر ہوئی کہ مرد کے بغیر صرف عورت کے وجود سے ان کا وجود ہوا۔ اس طرح پیدائش کی چاروں صورتیں واقع ہو گئیں پس حضرت مسیحؑ کا وجود قدرت الٰہیہ کا ایک نشان اور حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لئے بڑی رحمت کا سامان ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت

کہتے ہیں کہ فرشتہ نے پھُونک ماری۔ حمل ٹھیر گیا۔ جب وضع حمل کا وقت قریب آیا۔ شرم کے مارے سب سے علیحدہ ہو کر کسی دور کے مکان میں چلی گئی۔ شاید وہی جگہ ہو۔ جسے بیت اللحم کہتے ہیں۔ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ دردِ زہ کی تکلیف سے ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لیئے اس کے قریب جا پہنچی۔ اس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بیکسی۔ سامانِ ضرورت و راحت کا فقدان اور سب سے بڑھ کر ایک مشہورِ پاکباز عفیفہ کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصوّر سخت بیچین کیئے ہوئے تھا حتیٰ کہ اسی کرب و بلا کے غلبہ میں کہ اٹھی کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے مر چکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا اور کسی کو بھُولے سے بھی یاد نہ آتی۔ وہ مقام جہاں حضرت مریم کھجور کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا۔ اس کے نیچے سے پھر اسی فرشتہ کی آواز سنائی دی۔ کہ غمگین و پریشان مت ہو خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کر۔ نیچے کی طرف دیکھ۔ اللہ تعالےٰ نے کیسا چشمہ یا نہر ظاہر کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لیئے ہوا۔ کھانے کے لیئے اس کھجور کو ہلاؤ۔ پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی۔ تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو۔ اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر آگے کا غم نہ رکھ۔ خدا تعالےٰ سب مشکلات کو دُور کرنے والا ہے۔ اگر تو کوئی آدمی دیکھے تو کہہ دیجیو کہ میں نے رحمٰن کا روزہ مانا ہے۔ سو آج کسی سے بات نہ کروں گی۔ صرف اشارہ سے کہدینا۔

جب بچہ کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے سامنے آئیں تو لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے کہنے لگے مریم تو نے غضب کر دیا۔ یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئی۔ اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہوگا۔ کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعوےٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تیرے ماں باپ اور یہ خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں تجھ میں یہ بُری خصلت کہاں سے آئی بھلوں کی اولاد کا بُرا ہونا حیرانی کی بات ہے

برادری کے طعن و تشنیع

اے مریم تیرا باپ پاکباز تھا، ماں پارسا تھی۔ بھائی ایسا نیک ہے۔ اوپر جا کر تیرا نسب ہارون علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے ــــ پھر یہ حرکت تجھ سے کیونکر سرزد ہوئی۔ مریم نے ہاتھ سے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کرو۔ کہنے لگے بھلا ایک گود کے بچہ سے ہم کیسے سوال و جواب کر سکتے ہیں قوم کی طرف سے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ خود مسیح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔

حضرت مسیح کی خارق عادت گفتگو

آپ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں ہوں جیسا کہ اب نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ اور مجھ کو خدا نے نبی بنایا (یعنی مفتری اور کاذب نہیں ہوں۔ جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں) جب تک زندہ رہوں۔ جس وقت اور جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم ہو۔ اس کی شرائط و حقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں۔ اپنی ماں سے سلوک کرتا رہوں۔ اور مجھ کو زبردست بدبخت نہیں بنایا اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوں۔

حضرت مسیحؑ کی اس خارق عادت گفتگو سے اور اُن اوصاف و خصال سے جو بیان کیئے نہایت بلاغت کے ساتھ اس ناپاک تہمت کا ردّ ہو گیا۔ جو انکی والدہ ماجدہ پر لگائی جاتی تھی۔ اوّل تو ایک بچہ کا بولنا اور ایسا جامع و مؤثر کلام طبعاً دشمنوں کو خاموش کرنے والا تھا۔ پھر جس ہستی میں ایسی پاکیزہ خصال پائی

باقی صفحہ ۱۸ پر

مجلس ذکر منعقدہ جمعرات مورخہ ۳ ذی الحج ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۱ر جون ۱۹۵۹ء

آج ذکر کے بعد مخدومنا ومرشدنا مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

تزکیۂ باطن کی اہمیت اور اسکی ضرورت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ ط

اس مجلس میں دو قسم کے احباب شریک ہوتے ہیں۔ (۱) وہ جو تبرکاً آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تشریف آوری ان کے لئے مبارک کرے اور ان کو اس مجلس کی برکتوں سے مستفیض فرمائے۔ اس مجلس کی برکتوں کا ذکر حدیث شریف میں آتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً يَّطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ مَا يَقُوْلُ عِبَادِيْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ يَقُوْلُ هَلْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَّاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَّاَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْاَلُوْنَ قَالُوْا يَسْاَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَّاَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَّاَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ فَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَّاَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَّيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَآءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (رواہ البخاری)

(باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ الفصل الاول)

ترجمہ - (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - اللہ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو راستوں میں ان لوگوں کو تلاش کرتی رہتی ہے جو ذکر الٰہی کرتے ہیں - پس جب وہ کسی جگہ ذکر الٰہی کرنیوالے لوگوں کو پالیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہتے ہیں - آؤ اپنے مقصد کی طرف آؤ (یعنی ذکر الٰہی کو سننے اور ذکر اللہ کرنے والوں سے ملنے کے لئے اس کے بعد) آپؐ نے فرمایا - بس وہ (فرشتے آجاتے ہیں اور) اپنے پروں سے ذکر الٰہی کرنے والوں کو ڈھانک لیتے ہیں - اور آسمان دنیا تک جا پہنچتے ہیں - آپؐ نے فرمایا - ان کا رب ان سے پوچھتا ہے - حالانکہ وہ ان سے زیادہ اپنے بندوں کے حال سے واقف ہوتا ہے - کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے - آپؐ نے فرمایا - فرشتے کہتے ہیں - تیری پاکی بیان کر رہے تھے تیری عظمت و بزرگی کا ذکر کر رہے تھے - تیری تعریف کر رہے تھے اور تیری عظمت کے ساتھ تجھے یاد کر رہے تھے - آپؐ نے فرمایا - پھر (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے آپؐ نے فرمایا - پھر وہ (فرشتے) کہتے ہیں - نہیں اللہ کی قسم انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں ہے - آپؐ نے فرمایا - پھر (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے — اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا - آپؐ نے فرمایا - پھر وہ (فرشتے) کہتے ہیں - اگر وہ آپ کو دیکھ لیں، تو آپ کی بہت زیادہ عبادت کرتے اور بہت زیادہ آپ کی بزرگی بیان کرتے - اور بہت زیادہ آپ کی تسبیح بیان کرتے - آپؐ نے فرمایا - پھر (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - پھر وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں - (آپؐ نے فرمایا) فرشتے کہتے ہیں آپ سے بہشت مانگتے ہیں - آپؐ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - اور کیا انہوں نے بہشت کو دیکھا ہے - پھر وہ (فرشتے) کہتے ہیں - نہیں - خدا کی قسم - اے (ہمارے) رب انہوں نے بہشت کو دیکھا نہیں ہے - آپؐ نے فرمایا - (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو - آپؐ نے فرمایا - (فرشتے) کہتے ہیں - اگر وہ بہشت کو دیکھ لیں تو بہشت کی خواہش ان میں بہت زیادہ بڑھ جاتی اور بہشت کی طلب ان میں سخت ہو جاتی - اور بہشت کی طرف ان کی رغبت بہت بڑھ جاتی - آپ نے فرمایا پھر وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں - آپؐ نے فرمایا - (فرشتے) عرض کرتے ہیں - آگ سے - آپؐ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - پس کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے - آپؐ نے فرمایا - (فرشتے) کہتے ہیں نہیں - اللہ کی قسم - اے (ہمارے) رب انہوں نے دوزخ کو دیکھا نہیں ہے - آپؐ نے فرمایا - پھر (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو - آپؐ نے فرمایا - پھر (فرشتے) کہتے ہیں - اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیں - تو وہ اس سے بہت زیادہ بھاگیں - اور اس سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوں - آپؐ نے فرمایا - پھر (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے - پھر میں تمہیں گواہ کرتا ہوں - کہ میں نے ان سب کو بخش دیا - آپؐ نے فرمایا - فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے - ان لوگوں میں فلاں شخص ہے - جو ان میں شامل نہیں ہے - (مثلاً کسی کام کے لئے ان کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا - یہ لوگ ایسے بیٹھنے والے ہیں - کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رکھا جاتا (لہٰذا وہ بھی بخشا گیا)

(۲) وہ جو اس گنہگار سے بیعت ہیں - اور اپنی روحانی تربیت کروانا چاہتے ہیں - تربیت کے لئے ایک نصاب مقرر ہے - الفاظ میں تو یہ نصاب پانچ منٹ میں بیان کیا جا سکتا ہے - لیکن نصاب کے سبق پکانے کی ضرورت ہے - اس کے لئے کسی کو ۱۵ سال اور کسی کو ۲۰ سال صرف کرنے پڑتے ہیں۔

میں پہلے کسی مجلس میں عرض کر چکا ہوں کہ باطن کی بینائی حاصل ہو جائے تو انسان اپنی مملوکہ اشیاء کو بھی پہچانتا ہے - کہ حلال ہیں یا حرام - اپنے آپ کو بھی پہچانتا ہے - کہ میرے اندر رضائے الٰہی کا نور ہے یا نہیں - اور اپنے سامنے بیٹھنے والوں کو بھی پہچانتا ہے کہ مخلص ہیں یا منافق - جس طرح ظاہر کا اندھا نہ اپنے کو پہچانتا ہے - نہ اپنی مملوکہ اشیاء کے رنگ کو پہچانتا ہے اور نہ اپنے احباب کے رنگ کو پہچانتا ہے - اسی طرح باطن کا اندھا نہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے - نہ اپنی مملوکہ اشیاء کو پہچانتا ہے اور نہ اپنے متعلقین کو پہچانتا ہے -

لاہور کی کثر چیزیں حرام ہیں - اس کا سبب یہ ہے - کہ مسلمانوں میں بددیانتی عام ہے - ہندو اتنا بددیانت، اتنا جھوٹا، اتنا کھوٹا، اتنا ظالم اور اتنا ٹھگ نہ تھا جتنا آج کل کا مسلمان ہے میں دنیا کے معاملات میں ہندو کو مسلمان پر ترجیح دے رہا ہوں حالانکہ وہ کافر ہے - اگر اسے ایمان نصیب نہ ہوا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

باطن کی بینائی حاصل ہو جائے تو حلال اور حرام کی تمیز حاصل ہو جاتی ہے - باطن کی بینائی کا ذکر قرآن مجید میں بھی آتا ہے -

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (سورۃ الحج ع ۶ پ ۱۷) ترجمہ (پس تحقیق بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں) جب دستار فضیلت باندھ کر علمائے کرام آتے ہیں تو وہ سو میں سے سو فی صدی باطن کے اندھے ہوتے ہیں - تمہارا

انگریزی دانوں کا تو اس کھاتہ میں نام ہی نہیں آتا۔ تم تو حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہو۔ لاہور کے امراء کا تو گوشت کے بغیر گذارا نہیں ہوتا ان کو کھانے کے لئے پلاؤ چاہئے۔ پلاؤ کے لئے گھی چاہئے اور لاہور میں یہ چیزیں اکثر حرام کی ہوتی ہیں۔ دیہات میں اتنا حرام نہیں ہوتا جتنا لاہور میں ہوتا ہے۔ خود لاہوریوں کو حلال حرام کی تمیز نہیں ہے۔ اس لئے یہاں بے حیائی اور بدمعاشی زیادہ ہے۔ ایک ہزار دیہات اکٹھے کئے جائیں تو ان میں اتنے بدمعاش نہ ہوں گے جتنے لاہور میں ہیں عربی میں کسی نے کہا ہے اَلْحَرَامُ يَنْجَرُّ اِلَى الْحَرَامِ (ترجمہ حرام حرام کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے)

اللہ والوں کو جو سرور اللہ ہو کے پاک نام میں حاصل ہوتا ہے وہ بادشاہوں کو تاج شاہی سرپر رکھوا کر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ؎

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

یہی وجہ ہے کہ بادشاہ طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اللہ والے مسرور ہوتے ہیں۔

اللہ ہو کا ایک سبق بعض اوقات تین سال تک نہیں پکتا۔ یہ تب پکتا ہے جب اس کے نتائج مرتب ہوں۔ ایک سبق پک جائے تو دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔

شیخ کامل ہو اور طالب صادق ہو تو وہ خاموشی میں کچھ دیدیتے ہیں اور یہ لے لیتا ہے۔ طالب صادق کے معنی ہیں ؎

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ جب تک زندہ رہے ہیں انکی خدمت میں جب حاضر ہوتا تھا۔ تو صرف ایک رات رہتا تھا مجھے یاد ہے انہوں نے کبھی تقریر نہ فرمائی تھی۔ میں تو لمبی تقریریں کرتا ہوں۔ میں ان کے حضور میں خاموشی سے جاکر بیٹھ جاتا تھا۔ اس آنے جانے اور خاموشی سے بیٹھنے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کچھ ملتا ہے وہ لینے والا جانے یا دینے والا جانے۔

باطن کی بینائی حاصل ہو جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے یا ناراض۔ اس کے بغیر علماء وزراء، امراء، بادشاہوں اور زمینداروں کو پتہ نہیں چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے یا ناراض اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں انسانوں کے دلوں کی چابیاں ہیں جس سے راضی ہوتا ہے اس کو اپنے دروازہ پر بلاتا ہے۔ اور جس سے ناراض ہو اس کو اپنے دروازہ سے ہٹا دیتا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ مت سمجھو کہ حرامخور نماز کے لئے نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بلاتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی حرامخوری کی وجہ سے ان کے گوشت اور پوست سے بو آتی ہے۔ اس لئے ان کو اپنے دروازہ پر نہیں بلاتے۔

میں اپنی جماعت سے کہتا ہوں کہ اللہ کا نام بکثرت لیا کریں۔ تاکہ باطن کی بینائی حاصل ہو۔ الخ

ص ۲۰

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نام سیکھنے والا بھی کوئی ہوتا ہے اور سکھانے والا بھی کوئی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اللہ ھو کا نام لینے اور اس کی برکت سے باطن کی بینائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین۔

محمد فاضل ہیڈ ماسٹر مکتب نوکالا گوجران جہلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت

اسلام درحقیقت قانون الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ جو شخص اسلام کا دعوے تو کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانے وہ گویا اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے اگر سچ پوچھو تو ایسا شخص اسلام کے صحیح معنی سے ناآشنا ہے۔ اللہ کے احکام ہم تک لانیوالے حضور ہیں اس لئے حضور کے احکام کا ماننا گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا ہے۔ جو شخص حقیقت جاننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتا۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ کا باغی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

قرآن پاک کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن نے ان دونوں حقیقتوں کو یوں بیان کیا ہے یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حاصل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ وہی لوگ دراصل کافر ہیں۔ اور رسول پاک کی شان میں قرآن کا ارشاد ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ قرآن پاک نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہم نے رسول کو تمہاری ہدایت کیلئے بھیجا ہے۔ تاکہ وہ خود ہمارے حکموں پر عمل کرکے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں۔ تاکہ دنیا کا اعتراض نہ رہے کہ ہمیں ڈرانے والا کوئی نہ آیا تھا۔

قرآن میں صاف صاف آتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ ترجمہ تیرے رب کی قسم وہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جبتک کہ اپنے اختلاف میں تجھے منصف نہ تسلیم کرلیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کی اطاعت نہ کرنے والا ایماندار نہیں ہو سکتا۔ ایک مقام پر آیا ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔

حدیث شریف میں حضور کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ "میری ساری اُمت جنت میں داخل ہوگی۔ لیکن وہ شخص جس نے انکار کیا۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ وہ شخص کون ہے جس نے انکار کیا آپ نے فرمایا۔ جس نے میری اطاعت کی۔ وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی۔ "اس نے انکار کیا"۔ ایک دوسری حدیث ملاحظہ ہو نبی کریم فرماتے ہیں "جس شخص نے محمد کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی۔ اس نے گویا اللہ کی نافرمانی کی اور محمد لوگوں میں فرق ڈالنے والے ہیں۔ یعنی آپ کی اطاعت کے باعث لوگوں میں فرق معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں جو اطاعت کرتا ہے وہ مسلمان ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ مسلمان نہیں

ایک حدیث میں حضور نے فرمایا ہے کہ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ یعنی جس شخص نے میرے طریقہ سے انحراف کیا۔ وہ میری امت میں سے نہیں ہے اب جو شخص زبانی زبانی عاشق رسول ہونیکا دعوے کرے اور عمل اسکے قول کے خلاف ہو تو وہ شخص مسلمان کہلانیکا مستحق نہیں ہے۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن کا ارشاد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فرما دیجئے اے نبی کریم اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہارے ساتھ محبت کریگا یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوے اسی صورت میں درست ہے جبکہ حضور کی پیروی کی جائے۔

ایک دن آنحضور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ تمہیں میرے ساتھ کتنی محبت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کو ہر چیز سے عزیز سمجھتا ہوں اور تمام چیزیں آپ پر قربان کر سکتا ہوں۔ حضور نے پوچھا کیا تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر توقف کیا۔ آپ نے فرمایا کل سوچ کر بتا دینا۔ گھر جاکر سوچا کہ اگر ایک جگہ حضور جان کا مطالبہ کریں اور انکار کر دیا جائے تو پھر مسلمان کیسے رہ سکتا ہے دل نے گواہی دی کہ نبی کیلئے جان دے دینا عین ایمان کی علامت ہے دوسرے دن رسول پاک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول آپ ایک جان کہتے ہیں ہزاروں جانیں بھی ہوں تو آپ پر قربان کردوں۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ اے عمر رضی اللہ عنہ اب تیرا ایمان مکمل ہوا معلوم ہوا کہ آنحضرت کی محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اس لئے ایمان کیلئے حب نبی لازم اور ضروری ہے۔ دوستو آنحضور سے محبت کے یہ معنی ہیں کہ ہم حضور کے تمام احکام کی سختی سے پابندی کریں۔ اس طرح سے جو محبت پیدا ہوگی وہ سچی محبت ہوگی۔ صرف زبانی محبت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے اور ضرورت کے وقت توحید و سنت کو زندہ کرنے کے لئے اپنی جان خدا اور رسول کی راہ میں قربان کردے۔

باقی باقی

حامد غازی آبادی فیض باغ لاہور

حاصلِ وفا

صبح ہوتی ہے کہیں شام کہیں ہوتی ہے
ختم یہ گردشِ ایام نہیں ہوتی ہے
منزلِ عشق و وفا میں جو رہے گرمِ سفر
زندگی میری نظر میں وہ حسیں ہوتی ہے
صدقِ دل سے جو کوئی ہوتا ہے واں سر بسجود
اس کی پُر نور حقیقت میں جبیں ہوتی ہے
ذکر ہوتا ہے فلک پر بھی فرشتوں میں ترا
کتنی توقیر تری خاک نشیں ہوتی ہے
حاصلِ عشق و وفا باعثِ تسکیں ہے وہی
وہ نظر جو کہ محبت کی امیں ہوتی ہے
یوں سمجھتا ہوں ملی مجھ کو متاعِ کونین
جب تری یاد مرے دل میں مکیں ہوتی ہے

○

ڈاکٹر سلیمی خیر المدارس ملتان

اکبریات

جو رات ڈھلنے لگی ہے دل کا تمام ماحول جل رہا ہے
کہ اشک کے قطرے قطرے میں سے ہزار چشمہ ابل رہا ہے
وہ آئے یورپ سے اور خلوت میں کی نصیحت مجھے بُلا کر
بدل دو اسلام دقیانوسی۔ زمانہ سارا بدل رہا ہے
اُنہیں وکالت کے فیض سے علم ہو گیا ہے یہ کہہ رہے ہیں
بہشت میراث تیری میری ہے۔ شیخ یونہی اچھل رہا ہے
اُتر چکا ہے دلوں میں الحاد اور کوئی خبر نہیں ہے
"خدا کا پوتا" دیارِ مغرب میں طرفہ سانچے میں ڈھل رہا ہے
غریب مسلم پہ دیدنی ہے حیات کی کش مکش کا عالم
بگڑ بگڑ کر سنور رہا ہے یہاں گرا واں سنبھل رہا ہے
سُنا ہے محفل میں اُن کی دختر رقص کرتی ہے بن سنور کر
خدا کی قدرت! پلید کوزے میں جو بھرا تھا نکل رہا ہے
یہ بات ہے چند دن کی جب سے خلاف دانش ہوا سلیمی
جو عقل سے بند مدتوں تھا۔ جنوں سے وہ کام چل رہا ہے

لال دین صاحب اخگر

مقصودِ حیات

کھو گیا لذتِ دنیا میں یہ خواہش کا غلام
اور بھلا بیٹھا ہے اپنی زندگی کا مقصود
وائے نادانی! کہ تو اپنی نمائش میں رہا
تیری تخلیق سے منظور تھی خالق کی نمود
تیرے دامن پہ نظر آتا ہے یہ خونِ حسینؓ
ننگِ اسلام ہے اب زیرِ فلک تیرا وجود
عاشقِ ختم الرسلؐ! تیرا نہیں ہے ہمسر
تجھ کو کونین میں حاصل ہے حیاتِ محمود
بسترِ مرگ پہ اخگر نے فرشتوں کو کہا
جلد لے جاؤ مرا آخری صلوٰۃ و درود

بقیہ مریم علیہا السلام صفحہ ۱۴ سے آگے
جائیں۔ ظاہر ہے۔ وہ العیاذ باللہ ولدالزنا کیسے ہو سکتی ہے۔ حضرت مسیح کی شان و صفت یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ایک ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لئے۔ کسی نے ان کو خدا بنا لیا کسی نے خدا کا بیٹا کسی نے کذاب و مفتری کہا۔ کسی نے نسب وغیرہ پر طعن کیا۔ سچی بات وہی ہے جو ظاہر کر دیگئی کہ خدا نہیں۔ خدا کے بندے ہیں۔ جھوٹے مفتری نہیں۔ سچے پیغمبر ہیں۔ ان کا حسب و نسب سب پاک و صاف ہے۔ خدا نے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا ہے۔ خدا تو جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے۔ لفظ کُن فرماتا ہے۔ اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

حضرت مریم صدیقہ ہیں

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ

پ ۶ ۔ ع ۱۴ ۔ ترجمہ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا۔ مگر رسول۔ گزر چکے اس سے پہلے بہت رسول۔ اور اس کی ماں صدیقہ (ولی) ہے۔

جمہور امت کی یہی تحقیق ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی۔ یہ منصب مردوں ہی کیلئے مخصوص ہے

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ؁ پ ۱۸ ع ۳

ترجمہ۔ اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اُسکی ماں کو ایک نشانی اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھیرنے کا موقعہ تھا اور پانی نتھرا ہُوا۔

وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ پ ۲۵ ۔ ع ۱۲ ۔ ترجمہ اور وہ نشانی ہے قیامت کی۔
یعنی قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔

حضرت مریم کی پاکدامنی اور بندگی و اطاعت

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ؁ پ ۲۸ ع ۲۰

ترجمہ۔ "اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو۔ پھر ہم نے پھونک دی اس میں اپنی طرف سے ایک روح اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں"
یعنی حلال و حرام سب طریقوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ حضرت جبرئیل ؑ نے ۴۴

۴۴ گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت مریم ؑ نے کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک پہنچنے نہیں دیا۔ اس سے پاکدامن ہونا مراد ہے۔ حضرت مریم ؑ کامل مردوں کی طرح بندگی و اطاعت پر ثابت قدم تھی ٭

سعدالدین مروان

اسلام اور قربانی

جوں جوں اس ملک میں فرنگیت مآب حضرات اپنا پنجہ مضبوط کر لینگے تو یہ طبقہ اسلامی اقدار کی تشریحات میں اپنی رائے زنی کو وسعت دینگے۔ اسلام اقدار کی تعبیرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے پاکباز صحابہ تابعین تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کی تھیں۔ اس کو اس دور ظلمت کے غلامانی آستانہ افرنگ خاکم بدہن غلط بتا کر قومی ذہن و دماغ پر چھاپہ مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ملت اسلامیہ کی وہ مستند صحیح تشریحات جس پر اس ملت کی شیرازہ بندی قائم ہے وہ آج خانوادہ تہذیب افرنگ مرکز ملت کے بابو صاحب حرف غلط کی طرح مٹانے میں معروف ہے۔ کون نہیں جانتا کہ قربانی عیدالضحیٰ ملت اسلامیہ کے وہ مایہ ناز فخر و مباہات کے سلسلہ کی ایک ایسی لڑی ہے۔ جسپر ملت ابراہیم کی مستحکم بنیاد قائم ہے۔ اگر ہم قربانی کو راویان تہذیب افرنگ جو اسلامی اقدار پر ڈاکہ مار رہے ہیں۔ انکے زعم باطل پر مبنی قرار دے دیں۔ تو پھر اس دین کو ملت ابراہیمی سے جو نسبت قائم ہے۔ وہ کہاں رہتی ہے۔ حالانکہ نکتہ دان تہذیب فرنگ جن کا دعوےٰ قرآن دانی معروف و مشہور ہے۔ وہ اب تک قرآن کی اس تصریح سے واقف نہیں کہ ہم کو ملت ابراہیمی کی سنن متواترہ کی اتباع کا جو حکم ہے وہ انکی موجودہ تشریح قربانی کے ساتھ کہاں ملتا ہے۔ اب تک تہذیب فرنگ کے نکتہ رس حضرات کے مدعا ہم سمجھ نہ سکے۔ کبھی یہ لوگ قربانی کو بلدالامین مکہ معظمہ پر منحصر کرتے ہیں اور کبھی قربانی کو اس ملک میں اقتصادی مصالحہ کے خلاف جلتے ہیں۔ اگر یہ فرنگی نواز مسئلہ قربانی کو کسی نہ کسی پہلو پر سوچتے تو ہمارے لئے اس مسئلہ پر بحث کرنا آسان ہوتا مگر یہ لوگ کبھی قربانی کے مذہبی پہلو پر بحث کرتے ہیں اور قرآن حکیم سے غلط استدلالات سے کہ اپنی کج فہمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور کبھی اس مسئلہ کو ملک کا ایک اقتصادی مسئلہ بنا کر ملکی ترقی کی آڑ میں مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ان مختصر سطور میں ہم کو قربانی کا فلسفہ سمجھ کر قربانی کی اہمیت خود بخود واضح ہو گی۔ اسلامی عبادات و احکام جس فلسفہ پر قائم ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام اپنے عقیدتمندوں سے جذبہ اخلاص و تقویٰ طلب کرتا ہے۔ نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ قربانی وغیرہ سب میں جو قدر مشترک ہے وہ خشیت اور تقوےٰ ہے۔ قربانی کے متعلق جو ارشاد ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گوشت اور خون بہانے کے محتاج نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو جو چیز زیادہ عزیز ہے وہ تقوےٰ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا مقصد وحید تقویٰ اور اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی ہے۔ یہ تقویٰ ہر وقت۔ ہر جگہ۔ ہر عبادت میں مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ فرنگی نواز تمام اسلامی عبادات میں جوہر عبادت جو تقویٰ ہے اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس بنا پر وہ قربانی کو حج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک ادنیٰ تعمیل حکم بتا رہے ہیں۔ یہاں سے ملت اسلامیہ اور پرویزی مشن میں تصادم پیدا ہو گیا ہے۔ اسلامی عبادات میں ہر جگہ پرویز کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے جذبہ اخلاص و تقوےٰ زائل ہو جائے۔ اس بنا پر وہ قربانی کو ملک کے اقتصادی مصالح کے خلاف سمجھتا ہے مسلمانوں کو یہ کس طرح گوارا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ملے اور وہ اس میں تعین مقام یا اقتصادی مصالح کا بہانہ بنا کر اس حکم کے تعمیل میں پس و پیش کریں۔ یہود نے احکام خداوندی میں تحریف سے کام لے کر حیلہ سازی کو اپنا شیوہ بنایا تو وہ ابدالآباد تک اللہ کے رحم و کرم سے شیطان کی طرح راندۂ دربار ہو گئے ہیں۔ یہود کو گم گشتہ راہ بنانے کیلئے روحانی شیطان مقدر تھا۔ مگر عام مسلمانوں کو اس وقت حیلہ سازی کا جو رستہ بتایا جا رہا ہے یہ حیلہ سازی اس سے بدرجہا نقصان دہ ہے۔ وہاں پر صرف دو چند احکام میں تحریف نظر آ رہی ہے۔ مگر غلام احمد پرویز مکمل اسلام کی تحریف میں منہمک ہے۔

بچوں کا صفحہ

کمال الدین مدرس لاہور کارپوریشن

کھانے پینے میں حضورؐ کی سُنّت

پیارے بچو! آج کی فرصت میں ہم آپ کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے بارے میں کچھ باتیں بتانا چاہتے ہیں۔ انکو غور سے پڑھیئے اور پھر ان پر عمل کر کے ثواب حاصل کیجئے۔ پڑھ لینا کافی نہیں عمل ضروری ہے۔ ہمارے حضورؐ اللہ پاک کے اس قدر شکر گزار تھے کہ اللہ پاک کی معمولی سے معمولی نعمت کو بھی بہت بڑی شمار کرتے تھے اور پھر یہ کہ جو کچھ کھانے کے لئے سامنے آجاتا چاہے وہ بڑھیا ہوتا یا گھٹیا کھا لیتے۔ واپس نہ کرتے۔ ہاں اگر صدقہ کا ہوتا تو قبول نہ فرماتے اور اگر کسی دن کچھ بھی نہ ملتا تو نہ اس کی گلہ کرتے اور نہ جستجو۔ بارہا ایسا ہوا کہ کئی کئی دن بغیر کھائے گزر جاتے اور شدّت بھوک کی وجہ سے شکم مبارک پر پتھر باندھ لئے جاتے۔ بعض دفعہ تو مہینے گزر جاتے کہ دولت کدہ میں چولھا ٹھنڈا ہی پڑا رہتا۔ مگر کیا مجال کہ صبر و شکر میں ذرا بھی فرق آئے۔

جب حضورؐ کھانے کے لئے تشریف فرما ہوتے۔ تو پہلے ہاتھ دھو لیتے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے کھانا نہ تو بہت ہی گرم کھاتے اور نہ ہی زیادہ ٹھنڈا۔ آج کل کی طرح چھوٹی چھوٹی تشتریوں میں مختلف قسم کے کھانے سجا کر میز کرسیوں پر بیٹھ کر نہ کھاتے بلکہ زمین ہی پر دسترخوان بچھا دیا جاتا۔ اور اُسی پر ایک ہی تھال میں بہت سے آدمی کھا لیتے۔ ہمیشہ آپؐ نے دائیں ہاتھ ہی سے کھایا ہے اور پیا ہے۔ ہمارے لئے بھی یہی سنّت ہے کہ ہم بھی دائیں ہاتھ سے کھائیں پئیں اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کریں اور استنجا کریں۔ مگر ہم بہت سے مسلمان بھائیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے ہیں انگریزی فیشن کے لوگ اس میں زیادہ مبتلا ہیں۔ انگریز کیونکہ بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی انگریز ہی کی سنّت کو بحال رکھا ہے۔ اپنے نبیؐ کی سنّت سے محروم ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہاری بخشش کون کروائیں گے تو جواب ملے گا کہ ہمارے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمل انگریز کی سنّت پر اور امید یہ۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

خدا کی شان ہے کہ یہ لوگ تو انگریز کے ایسے ہتھے چڑھے ہیں کہ اگر ان کو کوئی نیک بات یا دین کی بات بتائی بھی جائے تو غصہ ہوتے ہیں۔ لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جنٹلمین لوہاری دروازے کی باہر والی سبیل پر پانی پینے لگا۔ اسی انگریز کی سنّت کے مطابق بائیں ہاتھ سے پینا شروع کیا۔ میں نے اُسے ٹوکا۔ بابو صاحب دائیں ہاتھ سے پیجئے ثواب ہوگا۔ مسلمان دائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور کافر بائیں سے۔ اول تو وہ مجھے غصّہ کی نظر سے گھورنے لگا۔ اور پھر بولا دائیں بائیں کی کوئی بات نہیں۔ پانی ہی پینا ہے۔ کسی ہاتھ سے پی لیا۔ یہ تو تم جیسے ملّاؤں نے یونہی مسئلے گھڑ رکھے ہیں۔ یہ ہے انگریز کی تعلیم اور صحبت کا اثر۔ کافر کی ادا اُسے اچھی لگی۔ اور اپنے رسولؐ کے طریقے کو کیسی بری طرح محسوس کیا۔ واقعی حضرت مولانا شیخ التفسیر ٹھیک فرمایا کرتے ہیں کہ اے انگریز تھا تو تو کافر۔ مگر میں تیری عقل کی داد دیتا ہوں کہ تو نے مسلمان زادوں پر وہ جادو کیا کہ ان میں سے بہتوں کو بے دین بنا گیا۔ بلکہ دین کا دشمن بنا گیا ہے

حضورؐ اللہ پاک کی نعمتوں میں کوئی عیب یا برائی ہرگز نہ نکالتے۔ بلکہ کھانا اگر پسند آتا تو کھاتے۔ ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے فارغ ہونے کے بعد جب کھانا اُٹھایا جاتا تو پھر ہاتھ دھوتے اور کلّی کرتے اور یہ فرماتے کہ اس خدا کا شکر ہے۔ جس نے ہمیں کھانا کھلایا سیراب اور شاداب کیا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

آپؐ بالکل سادہ کھانا نوش فرماتے تھے۔ تکلفات کا آپؐ کے ہاں بالکل نام نہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ اور انکے دو ساتھی حضرت سلمیٰؓ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ حضورؐ کو جو کھانا پسند تھا وہ ہمیں پکا کر کھلائیں۔ حضرت سلمیٰؓ نے کہا کہ حضورؐ تو بہت سادہ کھانا تناول فرماتے تھے۔ اس کو تو تم پسند بھی نہ کرو گے حضرت حسنؓ بولے نہیں ہم ضرور پسند کریں گے آپ ضرور پکائیں۔ حضرت سلمیٰؓ اُٹھیں تھوڑے سے جو چکی میں دل کر ہنڈیا میں ڈالے۔ ذرا سا زیتون کا تیل ملا کر اور کچھ نمک مرچ اور زیرہ چھڑک کر فرمایا۔ کہ یہ کھانا حضورؐ کو بہت مرغوب تھا۔

اس زمانہ میں چھلنی کا رواج تو نہ تھا۔ بس جو کا آٹا پیس کر پھر پھونک مار کر چھلکا اُڑا دیا جاتا تھا۔ اور جیسی چپاتیاں آج کل ہمارے ہاں پکتی ہیں ایسی حضورؐ نے نہ کبھی پکوائیں اور نہ کھائیں۔ اور حد یہ ہے کہ جو کی روٹی بھی عمر بھر پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ اس لئے نہیں کہ آمدنی کچھ کم تھی۔ بلکہ اس لئے کہ حضورؐ کے مال میں فقیر۔ مسکین یتیم اور بیوہ برابر کے حقدار تھے۔ جو کچھ آتا تھا وہ اسی وقت ان پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

نمک اور سرکہ کی حضورؐ نے بڑی تعریف فرمائی کہ ان سے غریب سے غریب بھی بڑے مزے کے ساتھ روٹی کھا سکتا ہے۔ پیٹ بھر کر آپ کبھی نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ کچھ بھوک رکھ لیا کرتے تھے۔ تر چیزوں کو تین انگلیوں سے کھاتے اور ختم پر ان کو چاٹ لیتے اور آج کل تو اُنگلیاں چاٹنے اور برتن صاف کرنے کو کسر شان سمجھا جاتا ہے۔ اس خیال سے کہ دیکھنے والے یوں کہیں گے کہ یہ تو بڑا ندیدہ ہے جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

ہڈی میں ذرا بھی گوشت ہوتا پھینکنے کی اجازت نہ دیتے۔ گری ہوئی چیز کو فرماتے کہ اسکو صاف کر کے کھا لو۔ دسترخوان پر جو ٹکڑے وغیرہ گر جاتے ان کے کھا لینے کو برکت کا سبب فرماتے۔

ہدیہ کی چیز تو ہمارے حضورؐ شوق سے کھا لیتے تھے۔ مگر صدقہ کی چیز ہرگز نہ کھاتے تھے۔

پانی۔ دودھ۔ لسّی اور شربت وغیرہ پیتے تو بیٹھ کر خوب اطمینان سے تین سانس لے کر پیتے اور ہر دفعہ برتن کو منہ سے الگ کر کے سانس لیتے حضورؐ کی عام غذا جو کی روٹی۔ ستو

باقی صفحہ ۲۰ کالم اوّل

رجسٹرڈ ایل ۶۰۴۷

منظور شدہ
محکمہ جات تعلیم وجیل مغربی پاکستان

شرح چندہ
سالانہ گیارہ روپے ششماھی چھ روپے
سہ ماھی ... تین روپے

ایڈیٹر
عبدالمنان
چوھان

بقیہ صفحہ ۱۹:۔

چھوہارے۔ گوشت اور دودھ بھی اور پسندیدہ اور مرغوب طبع گوشت خصوصاً ران کا۔ دودھ شہد اور کدو بھی تناول فرماتے تھے۔

ران کے گوشت کی وجہ حضرت عائشہؓ نے یہ فرمائی ہے کہ گوشت کبھی کبھی پکتا تھا اور حضورؐ کو فرصت کم ہوتی تھی۔ یہ چونکہ جلدی گل جاتا ہے۔ اس لئے اسی کو جلدی جلدی شوق سے کھا لیتے۔ وہ چیزیں جو حضورؐ کو پسند نہ تھیں وہ بدبو والی ہیں۔ جیسے کچا لہسن۔ پیاز علیٰ ہذا القیاس اور بدبو کی چیزیں۔

پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبیداللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ خدام الدین شیرانوالہ لاہور سے شائع ہوا